ماہنامہ
براہِ راست
لاہور
جلد 10 شمارہ 12 دسمبر 2024ء

انروا
اسرائیل کے الزامات کی حقیقت کیا ہے؟

یہ جنگی مجرم ہیں: عالمی فوجداری عدالت کا حتمی فیصلہ

عالمی فوجداری عدالت میں اسرائیلی وزیراعظم بنجمن نیتن یاہو، سابق وزیردفاع یوآف گیلانٹ جنگی مجرم قرار

ٹرمپ انتظامیہ: امریکی یا صہیونی؟

- فلسطین کا حق استصواب اب زیادہ دور نہیں
- فلسطینیوں کے قتل عام سے نسل کشی تک
- ریاض میں ہونے والے عرب اسلامی سمٹ کا اعلامیہ

غزہ میں مسلط کردہ قحط: مہذب مغرب کے شاگرد اسرائیل کا مہلک ہتھیار

UNRWA
مدد.. مدد..
معذرت، میں آپ کو نہیں سن سکتا!
عرب دنیا
فلسطینی
U.S. FUNDS

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے
وہ (ذات) پاک ہے جو ایک رات اپنے بندے کو مسجد الحرام یعنی (خانہ کعبہ) سے مسجد
اقصیٰ (یعنی بیت المقدس) تک جس کے گرداگرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں لے گیا تاکہ ہم
اسے اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھائیں۔ بیشک وہ سننے والا (اور) دیکھنے والا ہے۔

ماہنامہ
براہِ راست
لاہور

جلد 10 شمارہ 12
دسمبر 2024ء

مُدیر: مرزا محمد الیاس

اس شمارے میں

04 کلام اقبال

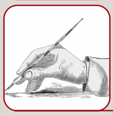
05 اداریہ

07 ٹرمپ انتظامیہ: امریکی یا صیہونی؟

08 فلسطین کا حق استصواب اب زیادہ دور نہیں

10 فلسطینیوں کا قتل عام سے نسل کشی تک

13 پچاس بچے شہید، مزید شہادتیں جاری

14 ریاض میں ہونے والے عرب اسلامی سمٹ کا اعلامیہ

16 غزہ میں مسلط کردہ قحط

18 فلسطین: ہمارا ادیب اور شاعر کہاں ہیں؟

19 انروا پر پابندی کا فیصلہ واشنگٹن میں ہوا

22 انروا: اسرائیل کے الزامات کی حقیقت کیا ہے؟

26 پیرس کا سٹیڈیم نعروں سے گونج اٹھا فلسطین آزاد کرو

28 کیا صیہونیت انتہا پسندی کی تکمیل کرنے کو ہے؟

30 زعتر مناقیش: بھوک اور نسل کشی سے بچنے کا فلسطینی طریقہ

31 اسرائیلی بائیکاٹ کے ممکنہ سیاسی اثرات

33 IBM: صیہونیت کے لیے ٹیکنالوجی

ویب سائٹ: www.barah-i-rast.com
برقی پتہ ادارتی امور: editor@barah-irast.com
برقی پتہ انتظامی امور: contact@barah-i-rast.com

Price Rs.70

پبلشر مرزا محمد الیاس نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر 9/1A رائل پارک لاہور سے شائع کیا

کلامِ اقبال

یہ پیرانِ کلیسا و حرم، اے وائے مجبوری!

صلہ ان کی کدوکاوش کا ہے سینوں کی بے نوری
یقیں پیدا کر اے ناداں! یقیں سے ہاتھ آتی ہے
وہ درویشی، کہ جس کے سامنے جھکتی ہے فغفوری
کبھی حیرت، کبھی مستی، کبھی آہِ سحرگاہی
بدلتا ہے ہزاروں رنگ میرا دردِ مہجوری
حدِ ادراک سے باہر ہیں باتیں عشق و مستی کی
سمجھ میں اس قدر آیا کہ دل کی موت ہے، دُوری
وہ اپنے حُسن کی مستی سے ہیں مجبورِ پیدائی
مری آنکھوں کی بینائی میں ہیں اسبابِ مستوری
کوئی تقدیر کی منطق سمجھ سکتا نہیں ورنہ
نہ تھے ترکانِ عثمانی سے کم ترکانِ تیموری
فقیرانِ حرم کے ہاتھ اقبال آگیا کیونکر
میسّر میر و سُلطاں کو نہیں شاہینِ کافوری

اداریہ

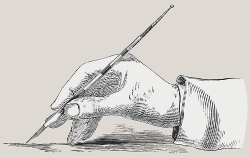

یہ جنگی مجرم ہیں، حتمی فیصلہ

عالمی فوجداری عدالت نے صہیونی وزیراعظم بنجمن نیتن یاہو، سابق وزیر دفاع یوآف گیلانٹ کو جنگی جرائم کا مجرم قرار دیا ہے۔ عدالت نے حماس کے کمانڈر محمد ضیف کو بھی مجرم قرار دیا ہے۔ وہ اسرائیل کے مطابق شہید ہو چکے ہیں۔

مغربی ذرائع ابلاغ نے اس خبر کو بیان کرتے ہوئے یوں لکھا اور سنایا ہے کہ عدالت کے جج صاحبان نے ان کو جنگی جرائم کا مجرم قرار دیا ہے۔ اصل خبر جج صاحبان کی نہیں، کیوں کہ عدالت نے انہیں مجرم قرار دیا ہے۔ یوں اصل فیصلے کی شدت کم کر کے بیان کرنے کی اپنی سی کوشش کی گئی ہے۔ عدالت نے یہ بھی کہا ہے کہ اسرائیل کا یہ اعتراض بے بنیاد ہے کہ سماعت سے پہلے ہی مجرم قرار دے کر غلط کام کیا گیا ہے۔ عدالت نے کہا ہے کہ اس کا یہ دائرہ سماعت بھی ہے اور اسے پورا اختیار بھی حاصل ہے۔

عالمی عدالت نے یہ بھی قرار دیا ہے کہ ایسے ٹھوس شواہد اور بنیاد موجود ہیں جن سے ان تین افراد پر لگائے گئے الزامات درست ثابت ہوتے ہیں۔ حماس کے خلاف اسرائیل کی حالیہ جنگ ٹھوس بنیادیں فراہم کر رہی ہے جن سے یہ صاف ظاہر ہوا ہے کہ انسانیت اور انسانوں کے خلاف سنگین جرائم کا ارتکاب کیا گیا ہے۔

بنجمن نیتن یاہو نے فیصلہ سننے کے بعد روائتی ہتھیار استعمال کرتے ہوئے کہا کہ یہ یہود مخالف (Anti Semitic) ہے اور اشتعال انگیز ہے۔ یہی تبصرہ صہیونی اسرائیل کے صدر اسحاق ہرتصوغ اور امریکی صدر جو بائیڈن نے کیا ہے۔ حماس کے ترجمان نے اس پر کہا ہے کہ یہ فیصلہ تاریخی ہے۔ نیتن یاہو اور گیلانٹ کے گرفتاری کے وارنٹ کا جاری کیا جانا اہم تاریخی نظیر ہے۔

اس فیصلے اور وارنٹ گرفتاری جاری کیے جانے پر کہا گیا ہے کہ اب عالمی فوجداری عدالت کے 124 رکن ممالک پر یہ اخلاقی اور قانونی ذمہ داری عاید ہوتی ہے کہ وہ ان مجرموں کو گرفتار کر کے ہیگ کے جنگی جرائم کے ٹربیونل کے حوالے کریں۔ یاد رہے کہ پاکستان عالمی فوجداری عدالت کے معاہدے پر دستخط کرنے والے ممالک میں شامل نہیں ہے۔ چین، بھارت، انڈونیشیا اور ترکی بھی دستخط کرنے والے ممالک میں شامل نہیں ہیں۔ اس طرح پاکستان سمیت چھ ممالک میں یہ افراد، جو اب مجرم ہیں، جائیں تو انہیں گرفتار کرنا ان پر لازم نہیں آتا۔ امریکہ ایسا نہ کرنے والا ساتواں ملک ہے۔ اس طرح یہ ممالک کسی قسم کا معافق یا مخالف تبصرہ کریں تو اس سے عدالت کو کوئی فرق نہیں پڑتا تاہم یہ ملک یا ممالک دوسرے ممالک پر اثر انداز ہو سکتے ہیں۔

عالمی فوجداری عدالت کے بین الاقوامی دائرہ عمل کے اندر کسی بھی جگہ (حالیہ مثال میں 124 ممالک میں) انسانیت کے خلاف کسی بھی جرم کا ارتکاب کیا گیا ہو، مرتکب شخص یا اشخاص ان 124 ممالک کا فرد یا شہری ہو تو اس پر جنگی جرم کا مقدمہ چلایا جا سکتا ہے، اس کی گرفتاری کے وارنٹ جاری کیے جا سکتے ہیں، اسے گرفتار کر کے ہیگ کے جنگی جرائم کے ٹربیونل کے سامنے پیش کرنا ہوگا جہاں فوجداری عدالت نے جن بنیادوں پر وارنٹ جاری کیے ہوں، وہاں ثبوت دیے جائیں گے جن تک عدالت پہنچی ہے۔

اسرائیل میں ان وارنٹ گرفتاری کے اعتبار سے تین طرح کا ردعمل سامنے آیا ہے۔ پہلا ردعمل ان یہود طبقات کا ہے جو علی الاعلان غزہ پر اسرائیل کی حالیہ جارحیت کی مخالفت کرتے آئے ہیں۔ یہ یہود طبقات صہیونی طرز فکر نہیں رکھتے۔ دوسرا ردعمل اپوزیشن کا ہے جس کا مؤقف ہے کہ حکمران اتحاد بالعموم اور نیتن یاہو بالخصوص اس جنگ کو، جو دراصل موجودہ صورت میں ذاتی مفادات کی خاطر اختیار کردہ جارحیت کے ذیل میں آتی ہے، موجودہ وزیراعظم اسے اپنے خلاف فوجداری مقدمات سے توجہ ہٹانے کے لیے استعمال کر رہا ہے۔ تیسرا ردعمل حکمران اتحاد کا ہے۔ یہ حکمران اتحاد دائیں بازو کے انتہا پسند صہیونیوں کا ہے۔ اس طرح اس اتحاد میں صہیونیت کے دو بڑے اور اس میں شامل جماعتوں کے الگ الگ صہیونی شامل ہیں۔ ان وارنٹ کے جاری ہونے سے ان چھوٹے بڑے یہودی اور صہیونی گروہوں کے الگ الگ مفادات سامنے آگئے ہیں۔ ان کے نمایاں ہونے سے اسرائیل کے نام سے قابض ریاست کے تمام طبقات کی باہمی آویزش کے مطابق نیتن یاہو کی ذاتی مشکلات بڑھ گئی ہیں۔

جن حکومتی اشخاص کے وارنٹ جاری ہوئے ہیں، انہیں کسی بھی وقت اور کسی بھی نوٹس کے بغیر اسرائیل سمیت دنیا کے 124 ممالک میں گرفتار کیا جا سکتا ہے۔ نیتن یاہو کے لیے یہ آسان نہیں رہا کہ وہ آزادانہ طور پر کسی بھی ملک کا دورہ کر سکیں۔ کینیڈا اور برطانیہ میں بھی ان کو گرفتار کیا جائے گا۔ امریکہ چوں کہ عالمی فوجداری عدالت کا رکن نہیں ہے، اس لیے اسے گرفتاری کا وہاں ڈر نہیں ہے۔ اس طرح امریکہ کا یہ کہنا بے فائدہ ہے کہ انہیں امریکہ آنے پر گرفتار نہیں کیا جائے گا۔

ایک بڑا فرق یہ پڑا ہے کہ امریکہ کا یہ دعویٰ بے بنیاد ٹھہرا ہے کہ حماس یا اس کی مجموعی قیادت دہشت گرد ہے۔ اگر امریکہ اس بنیاد پر حماس کو دہشت گرد کہتا تھا کہ اس کا ایک کمانڈر جنگی مجرم قرار دیا گیا ہے تو وہ جاں بحق ہو چکا ہے۔ حماس کو بطور تنظیم جنگی جرائم کا مرتکب قرار نہیں دیا گیا جبکہ اسرائیل کو انسانیت کے خلاف جنگی جرائم میں مبتلا قرار دیا گیا ہے۔ اس طرح اسرائیل دہشت گرد ہے۔

ایک فرق یہ بھی پڑا ہے کہ اسرائیل کے لیے نیتن یاہو کے ساتھ یا اس کے ذریعے معمول کے سفارتی تعلقات برقرار رکھنا ماضی کی طرح آسان نہیں رہا ہے۔ آئندہ اسرائیل کے سیاسی منظر پر بھی نیتن یاہو کی سیاسی اور انتظامی مشکلات بڑھ گئی ہیں۔ آئندہ انتخابات میں بھی وہ قابل قبول لیڈر کی حیثیت کھو سکتے ہیں۔ اس وقت حکمران میں بھی ان کے

حریف زیادہ مضبوط ہوجائیں گے۔ان تمام ممکنہ یا دیگر مناظر سے ہٹتے ہوئے سب سے اہم بات یہی ہے کہ ہزاروں انسانوں کے لہو میں ہاتھ رنگنے کے بعد حکمران اتحاد کے لیے ہر کام آسان سمجھے والے امریکہ اور انتہا پسند صہیونیوں کی حمایت کرنے والے اسرائیل کے لیے آنے والا وقت مشکلات ہی لائے گا۔ان وارنٹ جاری ہونے کے فیصلے نے غزہ کے خلاف جارحیت کرنے والوں کو پیغام دیا ہے کہ رفح ہو یا جنوبی غزہ کا کوئی حصہ ہو، اسے الگ کر کے غزہ پر قبضہ برقرار رکھنا اب اور بھی مشکل تر ہو گیا ہے۔

ٹرمپ کا جارحانہ اعلان

امریکہ کے نومنتخب صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے ہیگ کے بین الاقوامی ٹربیونل پر پابندیوں کا اعلان کیا ہے اور کہا ہے کہ بنجمن نیتن یاہو کے وارنٹ گرفتاری جاری کرنے کی پاداش میں اس بین الاقوامی عدالت پر پابندیاں لگادیں گے۔انہوں نے عدالت کے پراسیکیوٹر کے خلاف بھی سخت اقدامات عاید کرنے کا اعلان کیا ہے۔

ٹرمپ کے قومی سلامتی کے نامزد مشیر مائیک والٹز نے کہا ہے کہ عدالت کی کوئی قدر باقی نہیں رہی ہے۔ہم اقتدار میں آ کر اسے یہود دشمنی (Anti Semitism) کا معنی بتائیں گے۔ان کے اقدامات کی زد میں برطانوی وکیل کریم خان کو بھی لانے کا کہا گیا ہے۔جنہوں نے پراسیکیوٹر کے طور پر اپنی ذمہ داری ادا کرتے ہوئے عدالت سے کہا تھا کہ وہ اپنے فیصلہ کے مطابق غزہ میں انسانیت کے خلاف جرائم کے مجرموں کو ہیگ ٹربیونل کے روبرو پیش کرنے کے وارنٹ گرفتاری جاری کرے۔

یہ بات اہم ہے کہ دنیا کے معاملات فیصل کرنے میں امریکہ کے کردار کو فی زمانہ نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔اکثر امور میں اس کی کیفیت اس بدمست ہاتھی کی ہوجاتی ہے جو کسی بھی باغ میں گھس جاتا ہے اور پھلوں سے لدے درختوں کی شاخوں کو بے دریغ توڑ دیتا ہے۔

یہی کردار ان ممالک کا بھی ہے جو اس دور میں اس بدمست ہاتھی کے ساتھی ہیں۔وہ بھی طاقت کے نشے میں اخلاقیات اور قانون کو بری طرح پامال کردیتے ہیں۔جب باری کمزور کی ہو تو ان کے ہاتھ میں کوڑا قانون کا بن جاتا ہے جیسا کہ انہوں نے سوڈان کے جنرل عمر حسن البشیر کے ساتھ کیا یا لیبیا کے صدر معمر القذافی کے ساتھ کیا۔قذافی کو تو خود اپنے ہی ایجنٹوں کے ہاتھوں مروادیا اور مشہور کردیا کہ عوام نے ماردیا۔اب ایسا ہی اعلان کرنے والوں میں جرمنی اور ہنگری بھی شامل ہو گئے ہیں۔انہوں نے کہا ہے کہ وہ بھی نیتن یاہو کو گرفتار نہیں کریں گے۔ان لوگوں کے لیے لمحۂ فکریہ ہے جو یورپ اور امریکہ کی اس لیے ستائش کرتے ہیں کہ واہ! کیا بات ہے کہ قانون اور اخلاق کے اعلیٰ معیار ان سے سیکھے جائیں۔وہ اس حقیقت کو فراموش کردیتے ہیں کہ جب اخلاق اور قانون کا کوڑا ان اور ان کے ساتھ والوں پر پڑنے لگتا ہے تو سب کچھ بھول جاتے ہیں۔

اسرائیل کی برطانیہ میں سفیر اپی ہوٹووے نے وارنٹ پر تبصرہ کرتے ہوئے کیا کمال اعتراض وارد کیا ہے۔اس خاتون نے کہا ہے کہ اس اقدام سے اسرائیل کو حماس کے برابر قرار دے دیا گیا ہے۔غالباً ٹرمپ کا مسئلہ بھی ملتا جلتا ہے کہ ہم تو حماس کو مسلسل کئی برسوں سے دہشت گرد قرار دے رہے ہیں اور اس عدالت نے، خواہ بین الاقوامی ہی سہی، اسرائیل کو بھی اور اس کے وزیراعظم کو بھی دہشت گردی کی فہرست میں شامل کردیا ہے۔ادھر برطانیہ نے وارنٹ گرفتاری پر عمل درآمد کا اعلان کردیا ہے۔

امریکہ، اسرائیل اور ان کے جملہ اتحادیوں کو یہی مسئلہ درپیش ہے کہ بین الاقوامی فوجداری عدالت دعویٰ کررہی ہے کہ وہ بین الاقوامی قانون اور انسانی حقوق کی پاسداری کرنا چاہتی ہے۔ایسا کرتے ہوئے اس نے اسرائیل کو حماس کے برابر لاکھڑا کیا ہے۔اس دنیا کے جملہ دانش وروں کو دیکھا، سنا اور پڑھا جائے تو وہ ٹرمپ کے اعلانات پر بغلیں بجاتے نظر آئیں گے۔ان کے تھنک ٹینک اور بڑے بڑے تحقیقی و علمی ادارے داد و تحسین کے ڈونگرے برساتے ملیں گے کہ اب تو اس ادارے کو، اس بین الاقوامی عدالت کو ختم ہی کردینا چاہیے۔اب نہ رہے گا بانس اور نہ بجے گی بانسری۔

نومنتخب صدر ٹرمپ نے ایک اعلان یہ بھی کیا ہے کہ وہ اقتدار میں آ کر کینیڈا کے سامان تجارت پر 25 فیصدی ٹیکس لگادیں گے۔اس پر کینیڈا نے اپنے صوبائی عہدے داران کا اجلاس طلب کرلیا ہے تاکہ ٹرمپ کے اس اعلان کا جواب دیا جائے۔موجودہ صدر جو بائیڈن نے اس اعلان کو غلطی قرار دیا ہے۔اس بارے میں امریکہ جو بھی کرے، اس سے قطع نظر کہنا یہ ہے کہ ٹرمپ کا مزاج ہی عاجلانہ ہے۔وہ ہر کام عجلت میں کرنے کے پرانے عادی ہیں۔اس لیے پراسیکیوٹر کریم خان یا خود عدالت کے خلاف اقدامات کا اعلان ان کی ذہنی کیفیت کا ہی پتہ دیتا ہے جس میں اسرائیل کی محبت میں ان کی گرفتاری واضح ہوتی ہے۔

کیا یہ ممکن ہو سکے گا کہ امریکہ عالمی فوجداری عدالت کے خلاف میدان میں آئے اور ممالک پر دباؤ ڈالے کہ وہ عدالت پر پابندیوں کا مطالبہ کرے تو اس کے اس دباؤ کا مقابلہ کرنے کا حوصلہ خودساختہ آزاد دنیا کرسکے۔امریکہ خود کو عالمی فوجداری عدالت کا رکن نہیں ہے۔وہ اس ادارے کے فنڈز روکنے کے لیے ممالک پر اثرانداز ہوسکتا ہے۔اس موقع پر ان ممالک، بالخصوص مسلم ممالک کا امتحان شروع ہوگا کہ وہ اس ادارے کم ہوتے فنڈز کا مسئلہ حل کرنے کے لیے آگے آئیں اور زیادہ سپورٹ اس ادارے کو فراہم کریں۔موجودہ حالات میں یہ بہت مشکل امر ہوگا کیوں کہ ٹرمپ کے ہی ابراہام معاہدوں نے اس کے سابقہ دور میں کئی اہم ممالک کو اسرائیل سے تعلقات ''نارمل'' کرنے پر مجبور کردیا تھا۔ایسا لگتا ہے کہ یہ بدمست ہاتھی کھجوروں کے بہت سے باغ برباد کردے گا اور شاید اور بہت سے پھل بھی تباہ ہوجائیں۔

ٹرمپ انتظامیہ: امریکی یا صہیونی؟

امریکہ میں نومبر میں 2024ء کے صدارتی انتخابات ہوئے ہیں۔ان میں سابق صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے کامیابی سمیٹی ہے۔وہ 20 جنوری 2025ء کو صدارت کا حلف اٹھائیں گے۔ان کے ساتھ ان کی کابینہ بھی حلف اٹھائے گی اور امور مملکت میں ٹرمپ انتظامیہ کے طور پر کام کرے گی۔اس کو امریکہ میں ''اسرائیل فرسٹ'' کا نام دیا گیا ہے۔یہ ایک انوکھا موقع ہوگا کہ ٹرمپ انتظامیہ امریکہ فرسٹ کے بجائے اسرائیل فرسٹ کے عنوان سے کام شروع کرے گی۔اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ انتظامیہ ایسے سیاست دانوں پر مشتمل ہوگی جو اسرائیل کے لیے خصوصی التفات رکھتے ہوں گے۔

امریکہ میں اسرائیل کے لیے خصوصی نوازشات کوئی انوکھی یا نئی بات نہیں ہے۔ہر امریکی حکومت، خواہ وہ بل کلنٹن کی ہو، ٹرمپ کی پہلی حکومت ہو، جو بائیڈن کی ہو یا اب پھر ٹرمپ کی ہو، اسرائیل کے سوا ہر کسی کو دہشت گرد قرار دیتی رہی ہے۔جو حلقے ٹرمپ سے بہت زیادہ انصاف کی توقعات رکھتے ہیں، انہیں بھی علم ہے کہ بیت المقدس کو فلسطین کے بجائے صہیونی ریاست کا دارالحکومت بنانے کا اقدام کرنے کی جرأت ریگن، نکسن، بش، کلنٹن، جو بائیڈن سمیت کسی کو نہیں ہوسکی۔یہ کام ٹرمپ نے اپنے پہلے دورِ حکومت میں کیا تھا۔

اس ٹرمپ دور میں وزارت خارجہ، نمائندہ برائے مشرق وسطیٰ، سیکرٹری دفاع، اسرائیل میں امریکی سفیر، اقوام متحدہ میں سفیر سمیت اسرائیلی مزاج کے حامل لوگ ہوں گے۔ان میں مارکو روبیو نئے وزیر خارجہ نامزد کیے گئے ہیں۔وہ بہت طویل عرصے سے اسرائیل کے بہت بڑے حامی رہے ہیں۔ان کی صہیونی وفاداری کا عالم یہ ہے کہ ٹرمپ کو ان کے پہلے دورِ صدارت میں ''اسرائیل مخالف'' کہتے رہے ہیں۔یہ وہی صاحب ہیں جو حالیہ انتخابات سے پہلے پاکستان کے خلاف بل پیش کر چکے ہیں۔دیکھنا ہوگا کہ ٹرمپ کے ساتھ یہ پاکستان مخالف ایجنڈا جاری رکھیں گے یا کچھ تبدیل ہوسکیں گے۔مارکو روبیو نے جو بائیڈن حکومت کے غزہ مخالف ایجنڈے اور حماس کو دہشت گرد قرار دینے کے باوجود مسلسل یہ تنقید جاری رکھی کہ حکومت اسرائیل کی ویسی حمایت نہیں کر رہی تھی، جیسی کرنا چاہیے تھی۔مارکو روبیو لبنان پر زیادہ شدید حملوں کے لیے اسرائیل کی مکمل سپورٹ کرتے رہے ہیں۔وہ غزہ لبنان میں کسی بھی قسم کے سیز فائر کے مخالف رہے ہیں۔وہ کہتے رہے ہیں کہ اسرائیل کے اقدامات ہر اعتبار سے درست ہیں۔

ٹرمپ نے مشرق وسطیٰ میں امریکی نمائندے کے طور پر سٹیون وٹکاف کی نامزدگی کی ہے۔وٹکاف رئیل اسٹیٹس کے کاروباری کے طور پر پہچانے جاتے ہیں۔انہوں نے ٹرمپ کی مہم میں کھلے ہاتھوں سے فنڈز دیے۔انہیں کسی بھی نوعیت کا سفارتی تجربہ حاصل نہیں ہے۔غالباً مغربی کنارے اور مقبوضہ مشرقی بیت المقدس میں فلسطینی زمینوں پر قبضے میں وہ اہم کردار ادا کریں گے۔انہیں ٹرمپ کا اعتماد حاصل ہے اور بلا روک ٹوک وہ ان سے مل سکتے ہیں۔وہ بھی اسرائیل کے زبردست حامی اور مددگار شمار کیے جاتے ہیں۔

مائیک ہکابے کو ٹرمپ نے اسرائیل میں امریکی سفیر نامزد کیا ہے۔موصوف کئی بار اس خواہش کا اظہار کر چکے ہیں کہ وہ کسی اچھی یہودی بستی میں گھر بنانا اور وہیں بس جانا چاہتے ہیں۔اسی طرح سے ٹرمپ نے اقوام متحدہ میں امریکی سفیر کے طور پر ایلیسے سٹیفنک کا تقرر کیا ہے۔ان کو بھی اسرائیل کی زبردست حمایت نے یہ عہدہ دلایا ہے۔یاد رہے کہ ہکابے آرکنساس کے گورنر کے طور پر کام کر چکے ہیں۔وہ مغربی کنارے میں یہودی بستیوں کے بہت بڑے وکیل سمجھے جاتے رہے ہیں۔ان کا یہی کردار ان کے تقرر کا سبب بنا ہے۔

ری پبلکن کانگریس ویمن ایلیسے اسرائیل کی حمایت میں بہت کھل کر تقاریر کرتی رہی ہیں۔

17 اکتوبر کے آپریشن طوفان الاقصیٰ کی شدید ناقد اور مخالف رہی ہیں۔حماس کو دہشت گرد قرار دیتی ہیں۔فلسطین کے دو ریاستی حل کی بھی مخالفت میں پیش پیش رہی ہیں۔اقوام متحدہ کے فلسطین میں کام کرنے والے ادارے انروا (UNRWA) کی امریکی امداد بند کرانے میں یہ بہت نمایاں رہی ہیں۔

امریکہ کے نئے ڈیفنس سیکرٹری فوکس نیوز کے اینکر پرسن پیٹ ہیگ سیتھ ہوں گے۔یہ ایران کے بڑے مخالف اور اسرائیل کے حامی سمجھے جاتے ہیں۔یہ پینٹا گان کو چلائیں گے جہاں امریکی جرنیل ان کے خلاف ہیں۔اسرائیل کی جنگوں کے حامی ہیں جب کہ بہت اہم جرنیل ان جنگوں کے مخالف ہیں۔ٹرمپ نے مشرق وسطیٰ میں اپنے گزشتہ دورِ صدارت میں نئے تنازعات کھڑے کیے۔انہوں نے امریکی سفارت خانہ تل ابیب سے بیت المقدس منتقل کیا۔اسے اسرائیلی دارالحکومت کے طور پر تسلیم کرنے کی بنیاد رکھی۔گولان کی پہاڑیوں پر اسرائیل کا تسلط تسلیم کیا۔انہوں نے ہی ابراہام معاہدوں کے ذریعے عرب ممالک کو مجبور کیا کہ وہ ہر صورت میں اسرائیل سے تعلقات قائم کریں۔بحرین، متحدہ عرب امارات، مراکش نے اس سلسلے میں امریکی دباؤ پر پہل کی۔سعودیہ سے تجارتی تعلقات کی ابتداء ہوئی۔

یہ بات خود امریکی تجزیہ نگار کہتے ہیں کہ جو بائیڈن نے اسرائیل کی غزہ اور لبنان جنگوں کو پھیلانے میں مدد دی جن سے شہری ہلاکتوں میں اضافہ ہوا۔یہ ظاہر کیا جاتا رہا کہ ہم حماس اور حزب اللہ پر حملے کر رہے ہیں لیکن حقیقت مختلف تھی۔غزہ میں 50 ہزار اور لبنان میں 5 ہزار بے گناہ مار دیے گئے۔ان کا جرم فلسطین اور اسلام تھا۔اب ٹرمپ کے دوسرے دورِ صدارت میں یہ سلسلہ مزید پھیلے گا۔کنگ کالج لندن کے سینیئر لیکچرار اور MENA لیٹپکا کے چیف ایگزیکٹو آندرے کریگ نے اپنے تبصرے میں کہا کہ یہ دعویٰ کیا گیا کہ کسی ریڈ لائن کو عبور نہیں کیا جائے گا۔ہوا یہ ہے کہ ریڈ لائن تو ہر مرتبہ اور ہر جگہ جانتے بوجھتے کراس کی گئی۔

اب یہ بات تو صاف طور پر عمل بنتی نظر آرہی ہے کہ ٹرمپ کی صہیونی انتظامیہ ہر جگہ یہ لائن کراس کرے گی۔کریگ نے درست کہا ہے، اب ٹرمپ انتظامیہ جو بائیڈن حکومت سے دو چار ہاتھ آگے بڑھ کر اسرائیل کی مدد کو کھڑی نظر آئے گی۔مشرق وسطیٰ کے لیے ٹرمپ کے نامزد کردہ افراد کھل کر اسرائیل کے ساتھ کھڑے نظر آئیں گے۔ان کے نامزد وزیر خارجہ یا سیکرٹری آف سٹیٹ مارکو روبیو کے بارے میں ابھی سے کہا جا رہا ہے کہ وہ غزہ میں جنگ بندی کے خلاف بیانات دے رہے ہیں اور کہہ چکے ہیں کہ حماس کی مکمل تباہی سے پہلے کسی بھی صورت میں غزہ میں اسرائیل کو جنگ روکنی نہیں چاہیے۔

اسرائیل کے لیے امریکہ کے حالیہ نامزد سفیر ہکابے نے 2008ء میں کہا تھا کہ فلسطین نام کی کوئی شے حقیقت ہی نہیں رکھتی۔وہ مغربی کنارے کو ''ویسٹ بنک'' پکارنے پر بھی شدید اعتراض کرتے ہیں۔وہ اسے یہودی زبان میں ''جودیہ اور سماریہ'' کہہ کے پکارتے ہیں۔وہ یہاں سے ہر فلسطینی کا خاتمہ یا بے دخلی چاہتے ہیں۔

ابھی ان نامزدگیوں کا اعلان ہوا ہے، خود ڈونلڈ ٹرمپ نے اسرائیل سے کہا ہے کہ وہ جلد سے جلد اپنا کام مکمل کرے۔یہ بات وہ بار بار کر رہے ہیں۔وہ تو یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ ایران کے ایٹمی پروگرام کو ٹارگٹ کیا جائے۔وہ یہ بات اس لیے بھی کر رہے ہیں کہ ان کے صدر بننے سے پہلے ہی جو بائیڈن یہ کام مکمل کر لیں۔اس طرح وہ یہ کہہ سکیں گے کہ وہ جنگیں ختم کرنے آئے ہیں، لڑنے نہیں۔

یہ مختصر ترین جائزہ ہے جس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ امریکہ ہر حال میں فلسطین کا محض مخالف نہیں، دشمن ہے۔جو بائیڈن کے جانے اور ٹرمپ کے آنے سے اس کی پوزیشن میں فرق نہیں پڑے گا۔

فلسطین کا حق استصواب اب زیادہ دور نہیں

اقوامِ متحدہ جنرل اسمبلی کی ذیلی کمیٹی کے 79 ویں سیشن کی رپورٹ
GA/SHC/4430-14/نومبر 2024ء

تیسری کمیٹی نے ڈرافٹ قراردادوں کی منظوری دی، ان میں خواتین پر تشدد کے خاتمے، فلسطینیوں کے حقِ استصواب رائے کی رپورٹیں اور قراردادیں شامل

تیسری کمیٹی نے 9 قراردادوں کا منظور شدہ ڈرافٹ جنرل اسمبلی کے آئندہ اجلاس کے لیے بھیجا ہے، ان میں:
خواتین پر عدم تشدد اور فلسطینیوں کے حق استصواب رائے کے ڈرافٹ بھی شامل ہیں۔ ان کے ساتھ حقوق انسانی کی کونسل کی رپورٹ بھی ہے۔ بعض قراردادوں کے مسودوں پر تنازعہ پیدا ہوا ہے۔ ان میں بہ طور خاص خواتین اور لڑکیوں پر عدم تشدد کا معامل شامل ہے۔ اس موضوع پر ڈیجیٹل ماحول کی قرارداد A/C.3/79/L17/Rev1 منظور کی گئی۔ اس کے حق میں 170 ممالک نے اور مخالفت میں ایک ملک نے ووٹ دیا۔

اس قرارداد کے مطابق جنرل اسمبلی نے رکن ممالک پر زور دیا ہے کہ ایسے جامع اقدامات کریں جن سے خواتین اور لڑکیوں پر ہر طرح کے تشدد کا خاتمہ اور روک تھام ہو سکے۔ ایسے قوانین تیار اور نافذ کیے جا سکیں جن سے اس مقصد کو حاصل کیا جائے۔ نیز امکانات کو بھی دور کیا جا سکے۔ یہ قرارداد ہر رکن ملک سے تقاضا کرتی ہے کہ وہ ایسے مناسب اقدامات کرے، قانون ضابطے عمل میں لائے جن سے خواتین اور لڑکیوں پر تشدد، انہیں خوف زدہ کرنے اور ان پر حملہ کرنے کے امور کا سدباب کیا جائے۔ یہ معاملات خواہ آن لائن ہوں، ڈیجیٹل ذرائع کے استعمال سے ہوں۔۔۔ ان کو روکنے کے لیے قانون پاس کیے جائیں اور پالیسیاں اختیار کی جائیں جن سے ان کی شہرت داغ دار کرنے کے واقعات ختم کیے جائیں اور نفرت پر مبنی تقاریر روکی جائیں۔

اس قرارداد کا ڈافٹ فرانس نے پیش کیا۔ اس کے نمائندے نے زور دیا کہ سال میں دوبار ڈیجیٹل امور کا جائزہ تیار کیا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ خواتین دنیا کی آبادی کے نصف سے زیادہ ہیں، وہ آن لائن تشدد کا نشانہ بنائی جا رہی ہیں۔ ان کے خلاف اور ان کے بارے میں نفسیاتی تشدد عام ہے جو ایک لعنت بنتا جا رہا ہے۔ قرارداد کے متن میں کہا گیا ہے کہ ہر کسی کی یہ ذمہ داری ہے، خصوصاً سوشل میڈیا پلیٹ فارموں کی یہ ذمہ داری ہے کہ اس کے ذمہ داروں کو جواب دہ بنایا جائے۔

اس قرارداد پر ووٹ سے پہلے ڈرافٹ میں 10 ترامیم پیش کی گئیں جو اجلاس نے مسترد کر دیں۔ ان ترامیم کو پیش کرنے والے ملکوں کے نمائندوں نے مؤقف اختیار کیا کہ ان ترامیم سے مجوزہ ڈرافٹ زیادہ بامعنی ہو جائے گا۔ غیر متفقہ زبان تبدیل یا ختم کر دی جائے۔ مثال کے طور پر ''ملٹی پل'' یا امتیازی سلوک کی متوازی صورتیں ختم یا تبدیل کر دی جائیں۔ اسی طرح سے ''واقف شریک کار'' کی طرف سے تشدد، یا آ''ازدواجی عصمت دری'' جیسی اصطلاحات استعمال کی جائیں۔ ان کا تعلق جنسی یا تولیدی صحت سے ہے۔ یہ متنازعہ اصطلاعات یا محاورے اور تصورات مغرب کے تراشیدہ ہیں۔ یہ امور یا تو غیر واضح ہیں یا یہ مذاہب کے نظریات کے خلاف ہیں۔ یہ اصطلاحات تہذیبی و ثقافتی طور پر متنازعہ ہیں۔ ان ترامیم کے پیش کرنے والے ممالک نے کہا کہ وہ اس پر ووٹنگ کے عمل میں حصہ نہیں لیں گے۔

بعض ممالک کے نمائندوں نے کہا کہ یہ ترامیم قرارداد کو پس پشت ڈالنے کے مترادف ہوگا۔ عورتوں پر ہونے والا تشدد آن لائن ہو یا آف لائن ہو، دونوں صورتوں میں یکساں منفی اثرات پیدا کرتا ہے۔ ایک رکن ملک کے نمائندے نے زور دے کر کہا کہ خواتین پر تشدد کا 73 فیصد اب آن لائن ہی ہوتا ہے۔ اس تشدد میں جنسی طور پر ہراساں کرنا، نفرت پر مبنی تقاریر اور ریمارکس، انتقامی طور پر عریانیت کا ابلاغی استعمال اور نجی معلومات کا غیر متفقہ تبادلہ بھی کیا جاتا ہے۔ ایک ملک کی جانب سے زور دے کر کہا گیا کہ ازدواجی عصمت دری آزاد مرضی یا رائے کے برخلاف کی جاتی ہے۔

اس قرارداد کی منظوری دیتے ہوئے وفود کا کہنا تھا کہ لڑکیوں اور عورتوں پر تشدد کے خلاف اس سے دوررس نتائج مرتب ہوں گے۔ اسی دوران میں بہت سے مقررین ایسے بھی سامنے آئے جن کے بارے میں کہا گیا کہ وہ اس قرارداد پر بہت زیادہ خوش نہیں ہیں۔ ان کی طرف سے کہا گیا کہ ایک ایسی قرارداد کی اس معاملے پر ضرورت زیادہ ہے جس میں زیادہ وضاحت سے بات کی گئی ہو۔

ایک نمائندے نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ وہ اس کے حق میں ووٹ نہیں کر سکیں گے۔ اس میں عورتوں کے امور کو دوسرے مقاصد کے ساتھ گڈمڈ کر دیا گیا ہے۔ بہت سی اصطلاحات آزادئ اظہار کے حصول کو محدود کر رہی ہیں۔ انہوں نے اس سلسلے میں ''نفرت کی تقاریر'' اور ''مس انفارمیشن'' جیسی اصطلاحات کو مبہم قرار دیا۔ بین الاقوامی برادری کو اس کا نوٹس لینا ہوگا۔

فلسطینی استصواب رائے کے حق میں قرارداد کو منظور کرنے والے ممالک کی تعداد 170 تھی۔ 6 ممالک نے اس کی مخالفت کی۔ ان میں ظاہر طور پر امریکہ، اسرائیل، ارجنٹائن، مائیکرو نیسیا، ناؤے (ناروے نہیں) اور پیرا گوئے شامل تھے۔ اس قرارداد پر ووٹنگ سے 9 ممالک غیر حاضر رہے۔ ان میں کیری باتی، لائبیریا، پلاؤ، پانامہ، پاپوانیوگنی، روانڈا، تاگو، تونگا اور تو ویلو شامل تھے۔ گویا امریکہ اور اسرائیل کسی قابل ذکر ملک پر اثر انداز نہ ہو سکے۔

اس قرارداد کے ڈرافٹ میں کہا گیا کہ 1967ء سے شروع ہونے والے اسرائیلی قبضے کو ختم کرانے کی ضرورت کسی تاخیری حربے کے بغیر بڑھ گئی ہے۔ اب فلسطینیوں اور اسرائیل کے درمیان دیرپا، منصفانہ اور جامع امن مذاکرات کی ضرورت بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔ اس میں فلسطینیوں کے حق خودارادیت، فلسطین کے آزادانہ قیام کے حق سمیت، کو آگے بڑھانے پر زور دینا ہوگا۔ تمام ممالک اور اقوام متحدہ اور اس کی مخصوص ایجنسیوں اور تمام تنظیمات کا یہ فرض ہے کہ وہ فلسطینی عوام کے حق خود ارادیت یعنی استصواب رائے کو نہ صرف تسلیم کریں بلکہ اس کے لیے عملی کردار بھی ادا کریں۔

مصر کے نمائندے نے، اسلامی کانفرنس تنظیم کے بھی نمائندے کی حیثیت سے، زور دے کر کہا کہ استصواب رائے کا حق فلسطینی عوام کو ہر صورت ملنا چاہیے۔ اور وہ حق یہ ہے کہ ہر فلسطینی اپنی آزاد اور خودمختار ریاست میں آباد ہو اور وہاں اپنے سیاسی، ثقافتی اور معاشی ترقی کے ایجنڈے کو بروئے کار لائیں۔ اس میں انہیں کسی غیر ملکی یا بیرونی دباؤ کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ عالمی عدالت انصاف کی مشاورتی رائے کا حوالہ دیتے ہوئے مصری نمائندے نے کہا کہ اسرائیل ہر صورت میں اپنے غیر قانونی طور پر قبضے کو فلسطین کے ہر حصے سے فوری طور پر ختم کرے۔ ایسا فوری طور پر عمل میں آنا چاہیے۔ نمائندے نے ان ممالک کا بھی شکریہ ادا کیا جنہوں نے حال ہی میں فلسطین کی ریاست تسلیم کرنے کے اعلانات کیے ہیں۔

ریاست فلسطین کے مبصر نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ استصواب رائے کے حق سے فلسطینیوں کو محروم رکھنا سب سے بڑی توہین ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے لوگوں میں یہ صلاحیت بدرجۂ اتم موجود ہے کہ وہ اس حق کا پوری ذمہ داری سے استعمال کریں۔ اس حق کی اب تک منظم طریقے سے پامالی کی جا رہی ہے۔ اسرائیل کے غیر قانونی قبضے نے اس حق کی غیر قانونی نفی کی ہے۔ نمائندہ خاتون نے مزید کہا کہ اسرائیلی حکومت دعویٰ کرتی ہے کہ اسے فلسطینی سرزمین پر قبضے کا حق ہے، وہ غیر قانونی بستیاں تعمیر کر سکتا ہے، ہماری سرزمین کو مدغم کر سکتا ہے اور قوت کے بل پر ہمارے لوگوں کو بے گھر اور منتشر کر سکتا ہے۔ بین الاقوامی قانون اس قرارداد کی سپورٹ کرتا ہے اور اسرائیل کے قبضے کی مذمت کرتا ہے۔

اس اجلاس میں خطاب کرتے ہوئے اسرائیلی نمائندے نے ڈرافٹ کو ''سیاسی'' قرار دیا۔ اس نے اس قرارداد کو اپنے ملک کے خلاف دوہرے معیار کی کند چھری قرار دیا۔ اس نے کہا کہ 7 اکتوبر 2023ء کا اقدام وحشیانہ تھا جو نسل کشی کی حامل تنظیم (حماس) کی جانب سے کیا گیا۔ اس کا مقصد واضح طور پر اسرائیل کی تباہی کے سوا کچھ نہیں تھا۔ فلسطینی وفد نے ایک مرتبہ بھی حماس کی مذمت نہیں کی۔ اس کے بجائے اسرائیل کو غیر قانونی اور ناجائز ریاست قرار دینے پر ہی زور دیا گیا ہے۔ اسرائیلی نمائندہ خاتون نے ''علاقائی وحدت'' کے فلسطینی تصور پر بھی مذمت آمیز ریمارکس دیے اور کہا کہ اس سے مراد یہ لی گئی ہے کہ دریا سے لے کر سمندر تک یہ وحدت ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ قرارداد اصل میں ایک خودمختار ملک (اسرائیل) کی علاقائی وحدت کے خلاف ہے۔

بہت سے دیگر ممالک کے نمائندوں نے واضح الفاظ میں کہا کہ وہ فلسطینیوں کے حق خودارادیت کی مکمل اور بھرپور سپورٹ کرتے ہیں۔ وہ فلسطین کے علاقوں پر اسرائیل کے قبضے کو غاصبانہ سمجھتے ہیں۔ غزہ میں ان کی نسل کشی کی جا رہی ہے۔ بے دریغ عورتوں، بچوں اور جوانوں کا قتل عام کیا جا رہا ہے۔ اس موقع پر بعض ممالک نے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کیا فلسطین اب تک اقوام متحدہ کا رکن کیوں نہیں قرار پایا ہے۔

بعض ممالک جن میں امریکہ بھی شامل تھا، نے ڈرافٹ کی مذمت کی اور کہا کہ اس ڈرافٹ سے فلسطینی خود ارادیت کے حق کی کوئی خدمت نہیں کی جا رہی۔

ایک اور متنازعہ امر حقوق انسانی کونسل کی قرارداد تھی۔ اس ڈرافٹ CA/C3/79/L.33 کو کمیٹی نے 111 ووٹوں سے منظور کیا۔ اس کی مخالفت ارجنٹائن، بیلا روس، اسرائیل، نکاراگوا اور روسی فیڈریشن نے کی۔ ووٹنگ سے 62 ممالک غیر حاضر رہے۔ اس کے متن میں جنرل اسمبلی سے کہا گیا کہ وہ حقوق انسانی کونسل کی قرارداد اور رپورٹ کا فوری نوٹس لے اور اس کی سفارشات پر عمل کرائے۔

بہت سے رکن ممالک نے کہا کہ رپورٹ سلیکٹڈ ہے، اس میں دوہرے معیار کو روا رکھا گیا ہے اور اقدامات بھی یک طرفہ ہیں۔ رپورٹ میں ایک ملک کا نام لے کر مذمت پر بھی بعض ممالک نے اعتراض کیا۔ یہ ملک اسرائیل تھا۔

بعض ممالک نے اس ڈرافٹ قرارداد کو طریقہ جاتی غیر ضروری قرار دیا۔ ان کا کہنا تھا کہ اس سے ایک غلط تاثر قائم کیا جا رہا ہے کہ کمیٹی کو ایسی پاورز حاصل ہیں جن سے وہ حقوق انسانی کونسل کے فیصلوں کو تبدیل کر سکتی ہے۔ ایسا تاثر دینا درست نہیں ہے۔

کمیٹی نے چند اصطلاحات پر بھی غور کیا۔ ان میں ''ماورائے عدالت'' اور ''من مانی سزائے موت'' پر ووٹنگ ہوئی۔ ان کے حق میں 130 ممالک نے ووٹ دیا اور ان کے تحت کارروائیوں کی مذمت کی۔ کسی نے مخالفت میں ووٹ نہیں دیا۔ البتہ 53 ممالک غیر حاضر رہے۔ متن کے مطابق اسمبلی ان پر غور کرے کہ تمام ممالک اس امر کو یقینی بنائیں کہ ماورائے عدالت، سرسری سماعت کے بعد من مانی سزائیں نافذ کرنے کے طریقوں کو ختم کیا جائے۔ ایسے اقدامات کیے جائیں جن سے ان سزاؤں کو روکا جائے، اس طرح سے دی جانے والی نامنصفانہ سزاؤں کے خلاف لڑا جائے۔

ان ڈرافٹ قراردادوں کا پیغام بہت واضح ہے کہ محض اس بنیاد پر لوگوں کو، گروہوں اور عوام کو سزا نہیں دی جا سکتی کہ ان کا طرز زندگی حکمرانوں سے الگ ہے، کوئی قوم استبدادی شکنجے میں جکڑی نہیں جا سکتی۔ قوت کے ذریعے کسی کو بھی دبایا نہیں جا سکتا۔

فلسطین ایک قوم ہے جس کی سرزمین پر اجنبی قوم قابض بنا دی گئی ہے۔ یہ غاصبانہ قبضہ ہوئے تو اب صدی ہونے کو آئی ہے۔ اب ان کی آزادی کا وقت ہے اور یہ اب زیادہ دور کی بات نہیں رہ گئی۔

شمالی غزہ کو ابتدائی طور پر اسرائیل میں ضم کرنے کی تیاریوں کے لیے فلسطینیوں سے 30 اکتوبر سے کہا تھا کہ وہ فوری طور پر یہ علاقہ خالی کردیں۔ اعلان کیا گیا کہ ان کے شمال سے نکلنے کے لیے ایک کوریڈور مخصوص کیا گیا ہے جس کے اطراف قابض فوج موجود ہے۔ سب اس واحد راستے سے گزریں۔

جب عراق کی فوجیں کویت سے نکل رہی تھیں تو واپسی کا سفر امریکہ اور اتحادی افواج نے یوں ناممکن بنادیا کہ ان فوجوں کا آخری حصہ کویت کے اور اگلا حصہ عراق کے قریب تھا۔ یہ فوجیں نہیں تھیں۔ محض افراد تھے جن کے پاس کوئی گولی یا گولہ بھی نہیں رہنے دیا گیا تھا۔ یہ ظاہر ٹینکوں اور توپ خانے کی قطاریں تھیں۔ عین وسط میں پہنچتے ہی آسمان سے آگ اور بارود کی بارش کردی گئی۔ اس دن کی وجہ سے اس شاہراہ کو دنیا اب تک ڈیتھ ہائی وے کے نام سے یاد کرتی اور پکارتی ہے۔ یہ چھ رویہ سڑک تھی۔ یہ کویت سٹی سے عراق کے علاقے صفوان تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس کا اصل نام ہائی وے 80 تھا۔ یہ 26 فروری 1991 کا واقعہ ہے جو 2 مارچ تک جاری رہا۔ اس حملے میں امریکہ کا ساتھ دینے والے ممالک میں کینیڈا، برطانیہ اور فرانس کے جنگی جہاز اور زمینی افواج شامل تھیں۔ اس ہائی وے پر عراق کے دو ہزار کے لگ بھگ ٹینک، گاڑیاں اور توپ خانہ تباہ کردیا گیا تھا۔ جدید انسانی تاریخ میں حقوق انسانی کو تماشا بنانے کا یہ ایک نادر واقعہ تھا۔ غزہ میں انسانی زندگیوں کو نشانہ بنانے کا واقعہ یکم نومبر 2024 کو شروع ہوا اور اب تک جاری ہے۔

صہیونی افواج نے اکتوبر 2024ء کے وسط کے قریب شمالی غزہ کا محاصرہ تنگ کرنا شروع کردیا تھا۔ غزہ کا محاصرہ 17 سال سے زیادہ مدت سے جاری ہے۔ یہ محاصرہ اس لیے شدید تھا کہ یہاں روزانہ ایک نکبہ یعنی چھوٹی قیامت رونما ہورہی تھی۔ شمالی غزہ پر مسلح حملے کا آغاز ہوا تو ابتداء میں 640 فلسطینی شہید کردیے گئے تھے۔ نومبر کی پہلی سوموار کو دن طلوع ہونے سے قبل 33 فلسطینی شہید کردیے گئے تھے۔ اس دن نسل کشی کی مہم شروع ہورہی تھی۔ یہ شمالی غزہ میں بہت صاف اور روشن صبح تھی۔ اتوار یعنی ایک دن پہلے ہی فلسطینی اتھارٹی خبردار کرچکی تھی کہ کچھ بڑا ہونے والا ہے۔ بمباری جاری تھی۔ صہیونی فوج کی طرف سے بار بار اعلان کیا جارہا تھا کہ شمالی غزہ خالی کردیا جائے۔ تمام فلسطینی ایک

رنگین داستان۔۔۔مرزا محمد الیاس

فلسطینیوں کے قتل عام سے نسل کشی تک

شمالی غزہ: 640 شہادتوں کے بعد 93 اور پھر 44 مار دیے گئے

گھروں سے جبری بے دخلی: خواتین الگ کردی گئیں

مخصوص کردہ راستہ سے جنوب کی سمت نکل جائیں۔

یہ اعلانات بار بار کیے جارہے تھے کہ علاقہ خالی نہ کرنے والوں کو ماردیا جائے گا۔ فلسطینی اپنے گھر بار چھوڑنے پر آمادہ نہ تھے۔ ان میں سے اکثر کہہ رہے تھے کہ نکل بھی گئے تو راستے میں ماردیے جائیں گے۔ ہم غزہ نہیں چھوڑیں گے۔

بین الاقوامی منظر محض تماشائیوں کا سا تھا۔ کوئی بھی یہ نہیں کہہ رہا تھا کہ صہیونیت کو، قابض اسرائیل کو موت کا ناچ رچانے نہیں دیا جائے گا۔ اس کے برعکس کوئی آواز آرہی تھی تو یہی کہ مرنے سے بہتر ہے کہ غزہ سے نکل جائیں۔

وسطی غزہ کے علاقے دیرالبلح سے الجزیرہ کے نمائندے طاریز ابوعزام رپورٹ دے رہے تھے کہ شمالی غزہ کے مکین اپنے گھروں میں ہی محصور ہوکر رہ گئے ہیں۔ علاقہ مکمل تاریکی میں ڈوبا ہوا ہے۔ بم باری ہے کہ رکنے میں نہیں آرہی۔ ابوعزام نے رپورٹ دی کہ غذا، پانی اور ادویات کا نام و نشان تک نہیں ہے۔ اسرائیل کے طیارے مسلسل بمباری کررہے ہیں۔ تباہی نے ڈیرے ڈال رکھے ہیں۔ سارا غزہ دھماکوں سے لرز رہا ہے۔ ان حملوں کا بنیادی دباؤ شمال کی سمت ہے۔ جبالیہ کا کیمپ زبردست گولہ باری اور میزائل باری کی زد میں ہے۔

پھر اسرائیلی فوج نے فلسطینی خواتین کو قوت کے بل پر مجبور کرنا شروع کردیا کہ وہ شمال چھوڑ جائیں۔ دیرالبلح خالی کردیں، جبالیہ سے نکل جائیں۔ مختلف مقامات پر مردوں کو ان کے اہل خانہ سے جدا کرکے کھڑا کیا جارہا تھا۔ خواتین کو گنوں کے بٹ مارتے ہوئے اپنے اہل خانہ سے جدا کیا جارہا تھا۔

ادھر جنوبی شہر رفاہ میں امدادی کارکن لاشیں اٹھانے میں مصروف تھے۔ وہ علی الصبح 5 شہیدوں کو اٹھا چکے تھے۔

جب کہ جبالیہ شمال میں وہ 18 لاشیں اٹھا چکے تھے۔ کئی لوگ زخمی تھے۔ شیلنگ جاری تھی۔ شہیدوں اور زخمیوں کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی۔ شمالی غزہ شہر کے صفطاوی حصے میں بھی یہی عالم تھا۔

غزہ کے الاھلی ہسپتال میں شمالی غزہ میں شہید کیے گئے فلسطینیوں کو لایا جا رہا تھا۔ حملے بدستور جاری تھے۔ ابراہیم الخلیل عینی شاہد تھے۔ وہ ناقابل تصور حالات بیان کر رہے تھے۔ جنازے بھی اٹھائے جا رہے تھے اور لاشیں بھی اسی طرح سے اٹھائی جا رہی تھیں۔ موت اور زندگی میں دوڑ لگی تھی۔ یہ سلسلہ صبح یکم نومبر سے جاری تھا۔ پانی کے ٹینکر بھرنے والے فلسطینی موت سے ہمکنار کیے جا رہے تھے۔ یہ بیت لاھیہ کا خطہ تھا۔ ایک پناہ گاہ سکول میں بنائی گئی تھی۔ اس پر میزائل برسا دیے گئے تھے۔ اس حملے میں شہیدوں اور زخمیوں کا شمار ہی آسان نہیں تھا۔ فلسطینی تنظیم آزادی کے شعبہ پناہ گزین نے رپورٹ دی کہ ابو آسی سکول پر بمباری کی گئی تھی جس میں انروا (UNRWA) کا کیمپ تھا۔ یہ الشاطی پناہ گزین کیمپ کا ہی تسلسل تھا۔ بیت لاھیہ کے ایک گھر پر بمباری کی گئی تھی۔ اس میں درجنوں خاندان پناہ لیے ہوئے تھے۔ یہ ایک وسیع اور کشادہ عمارت تھی۔ اس بمباری سے صرف اس ایک مقام پر 60 فلسطینی شہید کیے گئے، درجنوں کے زخمی ہونے کی اطلاعات ہیں۔ ان میں اکثریت خواتین اور بچوں کی تھی۔ اسی دن اسرائیل نے دو اور مقامات پر قتل عام کیے۔ بریج اور نصیرات میں گھروں کو نشانہ بنایا گیا۔ یہ وسطی غزہ کے علاقے ہیں۔ درجنوں شہید اور زخمی کر دیے گئے۔

پی ایل او کے امور پناہ گزین کے رکن ایگزیکٹو کمیٹی ڈاکٹر احمد ابو حولی نے بتایا کہ ابو آسی سکول گنجان آباد علاقے میں تھا۔ یہاں اور بریج اور نصیرات میں حملے سیدھے سادے جنگی جرائم تھے۔ یہ سراسر فلسطینی نسل کشی کے منصوبے تھے۔ شہریوں کو جانتے بوجھتے نشانہ بنانا جنگی جرم ہے۔ اس طرح سے ہزاروں کو شہید اور زخمی کیا گیا حالانکہ حملہ آور جانتے تھے کہ وہ جنگی جرائم کر رہے ہیں۔

ڈاکٹر احمد ابو حولی نے بین الاقوامی برادری پر شدید تنقید کی۔ انہوں نے کہا کہ غزہ میں جو کچھ کیا جا رہا ہے، اس پر خاموشی اور نرمی جرم ہے اور ساری دنیا اس جرم میں برابر کی شریک ہے۔ اس طرح سے انسانی قوانین پامال کیے جا رہے ہیں اور کوئی بولنے کے لیے بھی تیار نہیں ہے۔

انہوں نے کہا کہ جس طرح سے فلسطینی قتل کیے جا رہے ہیں، اس سے صاف دکھائی دے رہا ہے کہ اسرائیل ہر ایک فلسطینی کو ختم کرنے کے درپے ہے۔ ساری آبادی کو مجبور کیا جا رہا ہے کہ وہ غزہ خالی کر دے۔

انسانی حقوق کے اقوام متحدہ آفس کے ترجمان نے ایک بیان میں کہا ہے کہ اسرائیلی افواج نے فلسطینی گھروں کے پورے بلاک کو تباہ کر دیا ہے۔ یہ واقعہ نومبر کی پہلی سوموار کو جبالیہ میں رونما ہوا ہے۔ اس کے علاوہ انروا (UNRWA) کے تین سکولوں کو بھی اسی دن یا اس سے اگلے دن تباہ کر دیا گیا۔ اسرائیل کے حملے واضح طور پر

فلسطینی زندگیوں کو ختم کرنے کے لیے کیے جا رہے ہیں۔

اب تک غزہ میں 44,000 یا کم و بیش تعداد میں شہادتیں ہو چکی ہیں۔ مزید 10 ہزار فلسطینی ملبے تلے دبے ہوئے ہیں۔ زخمیوں کی تعداد ایک لاکھ سے بڑھ چکی ہے۔ انسانی ہمدردی کے لیے کام کرنے والے کارکن اور صحت کے امور سے متعلقہ حکام مسلسلہ کہہ رہے ہیں کہ شمالی غزہ تک غذا، پانی اور ادویات کی رسائی ناممکن بنا دی گئی ہے۔ اس کی وجہ اسرائیل کی زبردست بمباری ہے۔

اقوام متحدہ کی فلسطینی پناہ گزینوں کے لیے ایجنسی کے ڈائریکٹر سام راس کا کہنا ہے کہ غزہ کے لوگ جس نوعیت کے حالات سے دوچار کر دیے گئے ہیں، ان کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ وہ بارہ ماہ سے زیادہ مدت سے جنگ میں رہ رہے ہیں۔ وہ بے گھر کیے گئے ہیں۔ ان پر مسلسل میزائل برسائے جا رہے ہیں، زندگی سے، جائیداد سے اور گھروں سے محروم کر دیے گئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ گزشتہ دو ہفتوں میں ہم نے جو کچھ دیکھا ہے، یہ بمباری کا ایسا حال ہے جو ہم نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ جو کچھ ہوا اور ہو رہا ہے، ہم اسے بیان نہیں کر سکتے۔ یہ علاقہ ہر قسم کی آمدورفت کے لیے بند کر دیا گیا ہے۔ لوگ یہاں مکمل طور پر الجھ کر رہ گئے ہیں۔

دیرالبلیح سے رپورٹ کرتے ہوئے الجزیرہ کی نمائندہ ہند خداری نے بتایا کہ اسرائیلی فوجی گھروں پر حملہ کر رہے ہیں۔ گھروں سے لوگوں کو زبردستی باہر نکالا جا رہا ہے۔ لوگ مسلسل مدد کے لیے پکار رہے ہیں۔ ان کی آواز سننے والا کوئی نہیں ہے۔ انہیں زندگی کا بہت ہی تلخ تجربہ ہو رہا ہے۔ وہ ویڈیوز ریکارڈ کر رہے ہیں، اس ک باوجود وہ محصور ہو کر رہ گئے ہیں۔

بیت الاھیہ میں بچے کھچے، پریشان حال خاندانوں کے افراد اور دیگر ارکان اپنے تباہ حال گھروں کے باہر جمع ہیں۔ وہ وہاں سے جانے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ ان کے گھروں پر 29 اکتوبر سے قیامت ٹوٹ رہی ہے۔ اسرائیل کے طیاروں نے یہاں حملہ کر کے پورا بلاک تباہ کر دیا ہے۔ یہاں 100 کے قریب شہادتیں ہوئی ہیں۔ غزہ کی شہری دفاع کی تنظیم کا کہنا ہے کہ لوگ بچ رہنے والوں کو پکار رہے ہیں جو ملبے تلے دب گئے ہیں۔ یہاں وہ ہولناک منظر بھی دیکھنے کو ملا کہ ایک نوجوان لڑکی کی زخموں سے بری طرح چور نعش عمارت کی بالائی منزلوں میں سے ایک کھڑکی سے آدھی باہر اور آدھی اندر لٹکی دیکھی گئی۔ کمبلوں اور چادروں میں لپٹی نعشیں رہائشی بلاک کے باہر سڑک پر رکھی گئی تھیں۔ یہ ابونصر خاندان کا گھر تھا۔ ان کے 40 سے زیادہ اہل خانہ ابھی تک ملبے تلے دبے ہوئے تھے۔ ان کے عزیز شدید حیرت سے کبھی ملبے کو دیکھتے اور کبھی سڑک پر پڑی شہداء کی لاشوں کو دیکھ رہے تھے۔

اسرائیلی فوج کی ''سادگی'' پر قربان کیوں نہ جائیں جس نے اس قتل عام پر یہ اعلان کیا کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ یہاں کیا ہوا ہے۔ اس سے پہلے یہ اعلان کیا گیا تھا کہ فوج نے بیت لاھیہ میں حماس کے 40 جنگجو ایک معرکے میں

ہلاک کردیے ہیں۔ دوسری طرف اسرائیل کے اس اعلان سے بالکل بے خبر امریکہ نے واشنگٹن سے یہ اعلان کیا کہ ہمیں بیت لاھیہ میں پیش آنے والے واقعہ پر شدید تشویش ہے۔ یہ ایک خوفناک واقعہ تھا۔ اس کے نتائج بھی ہولناک ہوں گے۔ سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے سادہ لوح ترجمان میتھیو ملر نے ہفتہ وار بریفنگ میں کہا کہ ہمیں دو درجن بچوں کے قتل کی رپورٹیں ملی ہیں۔ بیت لاھیہ میں پانچ منزلہ عمارت پر بمباری میں یہ ہلاکتیں ہوئی ہیں۔ یہ سب سے سنگین جھوٹ ہے۔ 50 بچوں کے قتل کا سانحہ اس واقعہ سے بالکل الگ ہے۔ میتھیو ملر نے کہا کہ ہم نے حکومت اسرائیل سے ان بچوں کے بارے میں رابطہ کیا ہے اور دریافت کیا ہے کہ کیا واقعہ ہوا ہے۔

ملر نے کسی اقدام کا اعلان کرنے سے مکمل گریز کیا کہ امریکہ اسرائیل کے خلاف کیا کرے گا۔ اسرائیل کے حملوں میں امریکہ خود شریک ہے اور اسرائیل کو امریکہ کی سفارتی اور فوجی سپورٹ حاصل ہے۔ اس کے باوجود امریکہ مسلسل دروغ گوئی سے کام لے رہا ہے کہ وہ اس معاملے کا سیاسی حل تلاش کرنے پر زور دے رہا ہے۔

بیت لاھیہ کی اس عمارت میں رونما ہونے والے حادثہ کو یاد کرتے ہوئے ربیع نے کہا کہ رات میں اس نے خوفناک دھماکوں کی آواز سنی۔ پہلے یوں لگا کہ شیلنگ ہو رہی ہے۔ جب سورج نکلنے کے بعد باہر نکل کر دیکھا تو لوگ لاشیں اٹھا رہے تھے۔ لوگ ملبے تلے چیخ و پکار کر رہے تھے۔ ان کی ٹانگیں اور بازو جسموں سے جدا تھے۔ ان کو قریبی سکول کی عمارت میں لے جایا جا رہا تھا۔ ان میں زیادہ تعداد بچوں اور خواتین کی تھی۔ لوگ زخمیوں کو بچانے کی کوشش کر رہے تھے۔ قریب میں کوئی ہسپتال یا صحت مرکز نہیں تھا۔ اسرائیل کی حکومت شمالی غزہ خالی کرانے کے لیے فضا اور زمین سے حملے کر رہی تھی۔ یہ حملے جبالیہ میں زیادہ سے اور مسلسل ہو رہے تھے۔ بیت لاھیہ اور بیت حنون شدید بمباری اور گولہ باری کی زد میں تھے۔ اس کا جواز یہ دیا جا رہا تھا کہ کوشش کی جا رہی ہے کہ حماس دوبارہ منظم نہ ہو پائے۔ پھر منگل کی صبح سے فلسطینیوں نے ملبے سے لوگوں کو نکالنے کی کوشش کا دوبارہ آغاز کیا۔ انہوں نے شہید ہونے والوں کو الگ کیا۔ لوگ اپنے عزیزوں کو تلاش کر رہے تھے۔ حملے کا نشانہ بننے والوں میں 15 کی میتیں کمال عدوان ہسپتال لائی گئیں۔ ہسپتال کے ڈائریکٹر حسام ابو حیفہ نے بتایا کہ 35 زخمی افراد لائے گئے۔ ان میں زیادہ تر بچے تھے۔ ان کا ہسپتال میں علاج جاری ہے۔ ہسپتال کی پوری کوشش ہے کہ علاج معالجہ کی ہر ممکن سہولت فراہم کی جائے۔ ہسپتال کے ڈائریکٹر کا کہنا تھا کہ یہاں اب فرسٹ ایڈ کے علاوہ کچھ بھی دستیاب نہیں ہے۔ دشمن نے ہمارے لوگوں کا بدترین قتل عام کیا ہے۔ شمال غزہ میں نسلی صفائی کا ہولناک باب رقم کیا گیا ہے۔ لوگوں کو بہت منظم

طریقے سے اپنے گھروں اور علاقوں سے جبری بے دخل کیا گیا ہے۔ ہزاروں فلسطینیوں کو شمالی غزہ چھوڑنے پر مجبور کیا گیا ہے۔ شہری دفاع کی تنظیم مسلسل کہہ رہی ہے کہ سینکڑوں لوگ شہید کیے جا چکے ہیں۔

17 نومبر کے حملوں میں بیروت کے علاوہ شمالی غزہ پر حملوں میں 72 فلسطینی شہید کر دیے گئے ہیں۔ اس سے قبل 13 نومبر کو ''فلور قتل عام'' کا سانحہ رونما ہوا۔ یورو میڈ مانیٹر نے رپورٹ کرتے ہوئے انکشاف کیا کہ اسرائیلی فوج نے شمالی مغربی غزہ میں سوڈانی راؤنڈ اباؤٹ پر نہتے فلسطینیوں پر اس وقت حملہ کیا جب انہیں علم ہوا کہ وہاں انسانی بنیادوں پر امداد تقسیم ہونے والی ہے۔ وہ امداد کے انتظار میں تھے۔ اس خطے میں گزشتہ 50 دنوں سے امداد نہیں پہنچی تھی۔ ایسے میں انتظار میں کھڑے فلسطینیوں پر بے دریغ فائر کھول دیا گیا۔ صبح دس بجے کا وقت تھا۔ اس حملے میں درجنوں فلسطینی شہید و زخمی کر دیے گئے۔ فائرنگ سے بچنے کے لیے جب انہوں نے قریبی پناہ گزین عمارت میں پناہ لینے کی کوشش کی، اس عمارت پر بمباری شروع کر دی گئی اور اسے تباہ کر دیا گیا۔ اس عمارت کے ملبے تلے نامعلوم تعداد میں بچے، خواتین اور دیگر افراد دب گئے۔

ایک عینی شاہد کا کہنا ہے کہ اسرائیلی فوج نے شہریوں کے ایک گروپ پر بلااشتعال فائرنگ شروع کر دی جو کئی ہفتوں سے بھوک کے ستائے ہوئے تھے۔ اسرائیلی فوج اور یہودی آبادکار یہاں امدادی ٹرکوں کو لوٹ رہے تھے اور امداد روک رہے تھے۔ یہاں فلسطینیوں کو علم ہوا کہ ان میں تقسیم کے لیے آٹا آیا ہے۔ وہ آٹا لینے آئے تھے اور موت لے کر چلے گئے۔ ان پر گولیاں برسائی گئیں اور شیلنگ کی گئی۔ دیر تک اس عمارت سے چیخیں بلند ہوتی رہیں جہاں فلسطینی پناہ لینے گئے تھے۔

ابتدائی رپورٹوں سے پتہ چلا کہ 200 سے زیادہ لوگ وہاں جمع ہوئے تھے۔ ان میں سے 70 افراد شہید ہو گئے۔ اب تک بہت سے افراد کا علم نہیں ہو سکا کہ وہ ملبے تلے دب گئے یا وہ بھی شہید ہو گئے۔

شمالی غزہ پر اسرائیل کے قتل عام کے سلسلے کو 40 دن سے زیادہ ہو چکے ہیں۔ صورت حال خراب سے بدترین ہو چکی ہے۔ اس حصے میں قیامت برپا ہے۔ اسرائیلی فوج اور ایئر فورس تباہ حال فلسطینیوں پر مسلسل بمباری اور گولہ باری کر رہی ہے۔ اسرائیل نے نسل کشی اور نسلی صفائی شروع کر رکھی ہے۔ اسے ہر صورت روکنا ہوگا۔ اس امر کی بہت ضرورت ہے کہ زندگی بچانے والی ادویات، غذا، پانی اور ایندھن وہاں پہنچایا جائے۔ اسرائیل کی قاتل اور پاگل حکومت کو روکا جائے ان حکومتوں کو خطے سمیت دنیا بھر سے اسلحہ فراہم کرنے والوں کو روکا جائے۔ اسرائیل کو پہلے ہی اسلحہ کا ڈپو بنا دیا گیا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ ساتھ کے سمندر میں اسلحہ ڈالا جائے تو وہ بھی بھر جائے گا۔

پچاس بچے شہید، مزید شہادتیں جاری

Save The Children کے ڈائریکٹر جیریمی سٹونز بھی چیخ اُٹھے

شمالی غزہ میں یکم نومبر کو ''مہذب'' جرم کا ارتکاب

شمالی غزہ میں رات بھر میزائل برس رہے تھے۔ محاصرہ جاری تھا۔ ٹینک مسلسل گولہ باری کر رہے تھے۔ صہیونی فوج کی اندھا دھند فائرنگ بھی جاری تھی۔ دوسری طرف دنیا خاموش تماشائی تھی۔ یہ لندن یا نیویارک میں نہیں، شمالی غزہ میں تماشا ہو رہا تھا۔ شہریوں پر قیامت گزر رہی تھی۔ یہ قیامت امریکہ و مغرب کے مطابق فلسطینیوں پر ہو رہی تھی۔ وہ ان کے نزدیک دہشت گرد تھے۔ نوزائیدہ بچہ بھی دہشت گرد تھا اور سو سالہ سن رسیدہ، ہڈیوں کے پنجر سمیت دہشت گرد تھا۔

اس صورت حال میں (Save The Children) کے ریجنل ڈائریکٹر جیریمی سٹونز کا بیان سامنے آتا ہے:

''آخر کب تک، کتنی دفعہ غزہ کے بچے ذبح کیے جاتے رہیں گے۔ وہ اجتماعی مذبحہ کا شکار کیے جاتے رہیں گے۔ کب تک؟ یہ کس کی ذمہ داری ہے، کون جواب دے گا؟ کس کا قانون چل رہا ہے، کس کے ہاتھ خونِ اطفال سے رنگین ہیں؟''

یہ سوالات کوئی مسلم نہیں کر رہا۔ اسے یہ سوالات کرنے بھی کیوں ہیں؟۔ وہ تو اس وقت خود قاتلوں کی صف میں کھڑا ہے۔ ایسے میں جیریمی سٹونز سوال اُٹھا رہا ہے۔ وہ جو کچھ دیکھ رہا ہے، بیان کر رہا ہے۔

جبالیہ کے گھروں پر مسلسل آگ برس رہی ہے۔ کم و بیش 50 بچے مارے جا چکے ہیں۔ جبالیہ شمالی غزہ میں ہے۔ میڈیا رپورٹوں میں بھی یہ تعداد بیان کی جا رہی ہے۔ امدادی کارکنوں کے لیے ان بچوں کی لاشیں اٹھانا شدید بمباری میں ممکن نہیں ہے۔ وہ اس علاقے تک پہنچ ہی نہیں سکتے۔ شہری اپنے طور پر ملبہ ہاتھوں سے ہٹا رہے ہیں۔ ان کے اپنے ہاتھ ایسا کرتے ہوئے زخمی ہیں۔ وہ رو رہے ہیں، چیخ رہے ہیں، چلّا رہے ہیں۔ کسی کا لختِ جگر، کسی کا بھائی، کسی کا بھانجا۔۔۔ بھتیجا، ہمسایہ، ملبے تلے دبا ہوا ہے۔ ملبے سے بھی بے بس آوازیں بلند ہو رہی ہیں، وہاں ابھی کوئی زندہ ہے۔ اسرائیل نے منظم منصوبے سے صحت کے سارے مراکز تباہ کر دیے ہیں۔ اگر کوئی زندہ بھی ہے، تو اسے طبی امداد نہیں دی جا سکتی۔ اسے بھی مرنا ہے، شہید ہونا ہے۔

بات تو تلخ ہے لیکن کہنے کی ہے۔ ہم مسلمان کہتے ہیں فلاں شہید کر دیا گیا۔ چلو! جنت ہی گیا ہے ناں! اک اطمینان ابھرتا ہے لیکن اس شدتِ غم کو ہم بھول جاتے ہیں جس سے کوئی ماں گزر رہی ہے، کوئی باپ تڑپ رہا ہے، کسی بھائی کا جگر چھلنی ہو رہا ہے۔

ہم اس معذور کا دکھ نہیں محسوس کر پا رہے جس کا بازو یا دونوں بازو کٹ گئے ہیں، دونوں ٹانگیں نہیں رہیں، پاؤں اب باقی نہیں ہیں۔ اور تو اور جس کا کوئی عضو نہیں گرا لیکن دماغ گر گیا ہے۔ وہ سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت کھو بیٹھا ہے۔

جیریمی سٹونز کا کہنا ہے:

''ہر جنگ بچوں پر ہوتی ہے۔ غزہ میں ہلاکتیں بڑھتی جا رہی ہیں۔ بچے زیادہ مارے جا رہے ہیں۔ عورتیں ماری جا رہی ہیں گویا نسل تباہ کی جا رہی ہے۔ یہ آخری حملہ تو نہیں، لیکن میری آنکھوں نے ابھی جو آخری حملہ دیکھا ہے، یہ حملہ زیادہ تر بچوں پر ہوا ہے۔ زیادہ تعداد بچوں کی ہی ہے۔ بچوں کے معاملے میں یہ لفظ لغت سے نکال دینا چاہیے کہ یہ مقابلے میں ہونے والا قتل ہے۔ یہ (Collateral) نقصان ہے۔ لیکن شمالی غزہ میں مارے جانے والے وہ تماشائی نہیں تھے جو کہیں راہ کنارے کھڑے تھے اور موت کا کھیل دیکھ رہے ہوں۔ وہ تو اپنے گھروں میں تھے۔ وہ تو گرتے بموں کی ہولناک آوازیں سن رہے تھے اور اس ہولناکی کی نذر ہو گئے۔''

جیریمی سٹونز کا خیال ہے:

شہریوں کا دفاع اور تحفظ ہر تصادم اور جنگ کا لازمی تقاضا ہے۔ بچوں کو محفوظ رکھنا تو اور بھی ضروری ہے۔ یہ بین الاقوامی قانون ہے۔ ہم سب کی مشترکہ ذمہ داری ہے۔ غزہ میں اس قانون کو پامال ہوتے میں نے دیکھا ہے۔ اس کی جگہ اجتماعی مذبحہ نے لے لی ہے۔ کسی پلانٹ پر جس طرح چکن کاٹے جاتے ہیں، شمالی غزہ میں اسی انداز میں بچے کاٹے۔۔۔ ذبح۔۔۔ قتل کیے جا رہے ہیں۔ شاید قتل چھوٹا لفظ ہے۔ جس طرح بچے مارے جا رہے ہیں، شاید وہ کاٹے اور ذبح کیے جا رہے ہیں۔ بچوں کو ہزاروں کی تعداد میں غزہ میں مارا جا رہا ہے، یوں لگتا ہے کہ یہ واقعی اعداد و شمار ہیں۔'' بچے نہیں ہیں۔۔۔ ایک، دس، سو، ہزار۔۔۔ کئی ہزار۔۔۔ واقعی یہ تو محض اعداد و شمار ہی تو ہیں، بچے ہرگز نہیں ہیں۔ لیکن یہ سنگین سچائی ہے۔ یہ بچے ہی ہیں۔ یہ نیتن یاہو کے بچے نہیں ہیں۔ یہ انتونی بلنکن یا جو بائیڈن یا ڈونالڈ ٹرمپ کے بچے نہیں ہیں۔

جیریمی نے اپنی بات ختم کرتے ہوئے لکھا ہے:

''پھر بھی نمبر تو کہیں پیچھے رہ گئے ہیں۔ ایک بچے کا قتل بھی ہو تو گویا ایک زندگی سے جینے کا حق چھین لیا گیا ہے۔ لیکن کسی والدہ کا، کسی والد کا، کسی رشتہ دار کا، پوری کائنات کا قتل کر دیا گیا ہے۔''

''یہ بات تو قرآن حکیم نے بہت پہلے نمایاں کر دی ہے۔''

''ایک انسان کا قتل پوری انسانیت کا قتل ہے۔''

''یہاں تو بچے، اور وہ بھی مسلم بچے قتل ہو رہے ہیں۔''

مسلمان ہے یا راکھ کا ڈھیر ہے۔

براہِ راست رپورٹ

ریاض میں ہونے والے عرب اسلامی سمٹ کا اعلامیہ

ریاض اجلاس میں اسرائیل کو ہتھیاروں کی برآمدات پر پابندی کا مطالبہ

عرب اسلامی سربراہوں کا عالمی سطح پر اسرائیل کی شرکت کو منجمد کرنے کی ضرورت پر زور

ریاض میں ہونے والی عرب اسلامی سربراہی کانفرنس کے حتمی بیان میں اسرائیل کو اپنی جارحانہ پالیسیوں کو روکنے کے لیے مجبور کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ اقوام متحدہ کی سرگرمیوں میں اسرائیل کی شرکت کو روکنے کے ساتھ ساتھ ریاست فلسطین کو تسلیم کرنے کے لیے بین الاقوامی حمایت کو متحرک کرنے پر بھی زور دیا گیا ہے۔

ریاض اجلاس کے اعلامیے میں دنیا کے تمام ملکوں سے اسرائیل کو ہتھیاروں کی برآمد پر پابندی لگانے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ اسرائیلی کنیسٹ کی جانب سے ''انروا'' کے استثنیٰ کو واپس لینے کے فیصلے کی مذمت کی گئی۔ سربراہی اجلاس کے حتمی بیان میں شام کی سرزمین پر اسرائیلی جارحیت کی مذمت کی گئی۔ اسی طرح لبنان میں جنگ کو روکنے کے لیے وزارتی کمیٹی کی کوششوں میں توسیع پر زور دیا گیا۔

سعودی وزیر خارجہ شہزادہ فیصل بن فرحان نے کہا ہے کہ غزہ میں جو کچھ ہو رہا ہے اس پر عرب اور اسلامی دنیا ناراض ہے۔ عالمی برادری غزہ میں جنگ کو روکنے میں ناکام رہی ہے۔ اسرائیل فلسطین میں زمینی حقیقت کو بدلنا چاہتا ہے اور دو ریاستی حل تباہ کرنا چاہ رہا ہے۔

ریاض سمٹ کے حتمی بیان میں بین الاقوامی برادری سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ 19 جولائی 2024 کی بین الاقوامی عدالت انصاف کی مشاورتی رائے کے تمام مشمولات پر عمل درآمد کرے۔ عالمی عدالت کی اس رائے میں اسرائیلی قبضے کو جلد از جلد ختم کرنے، جنگ کے اثرات کو دور کرنے اور نقصانات کا معاوضہ ادا کرنے کا کہا گیا تھا۔

جبری گمشدگی کی مذمت:

غزہ کی پٹی اور مقبوضہ فلسطینی علاقوں میں ہزاروں فلسطینی شہریوں کے خلاف موجودہ جارحیت کے آغاز سے لے کر اب تک اسرائیلی قابض افواج کی جانب سے لوگوں کو جبری لاپتہ کیا جا رہا ہے۔ اس جرم کی مذمت کی گئی۔ بچوں، خواتین اور بزرگوں اور دیگر افراد کے ساتھ بدسلوکی، جبر، تشدد اور ذلت آمیز سلوک برتا جا رہا ہے جس کی شدید مذمت کی گئی۔ اقوام متحدہ کے رکن ممالک سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ اغوا کاروں کے انجام سے پردہ اٹھانے کے لیے ہر سطح پر کام کریں۔ گمشدہ افراد کی رہائی کے لیے کام کریں،

ان کے تحفظ کو یقینی بنائیں اور اغوا کاروں کو کٹہرے میں لانے کے لیے آزادانہ اور شفاف تحقیقات کا مطالبہ کریں۔

اسرائیلی جرائم کی مذمت:

ریاض سربراہی اجلاس کے حتمی بیان میں غزہ کی پٹی میں قابض اسرائیلی فوج کی طرف سے اجتماعی قبروں سمیت نسل کشی کے جرم، تشدد اور کھیتوں میں پھانسی کے جرم جیسے خوفناک جرائم کی شدید الفاظ میں مذمت کی گئی۔ جبری گمشدگی، لوٹ مار اور نسلی تطہیر جیسے جرائم پر سلامتی کونسل سے تحقیقات کے لیے ایک آزاد اور قابل اعتبار بین الاقوامی تحقیقاتی کمیٹی تشکیل دینے کا مطالبہ کیا گیا۔ ان جرائم کو روکنے کے لیے سنجیدہ اقدامات اٹھانے کا مطالبہ بھی کیا گیا۔

لبنان پر جارحیت کی مذمت:

عرب اسلامی سربراہی کانفرنس کے اعلامیے میں لبنان کے خلاف طویل اور مسلسل اسرائیلی جارحیت اور لبنان کی خودمختاری اور تقدس کی پامالی کی شدید مذمت کی گئی۔ لبنان میں فوری جنگ بندی کا مطالبہ کیا گیا۔ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کی 2006 کی قرارداد نمبر 1701 کی تمام دفعات کو نافذ کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔ حالیہ اسرائیلی جارحیت کے پیش نظر لبنان کے ساتھ اظہار یکجہتی کیا گیا۔

حتمی بیان میں لبنانی فوج اور اس کے مراکز کو دانستہ طور پر نشانہ بنانے کی مذمت کی گئی ہے۔ نیز عام شہریوں کے قتل، رہائشی علاقوں کی منظم تباہی اور جبری نقل مکانی کی بھی مذمت کی گئی۔ لبنان میں کام کرنے والی اقوام متحدہ کی عبوری فورس (UNIFIL) کو نشانہ بنانے کو افسوس ناک قرار دیا گیا۔ عرب اسلامی سربراہوں نے لبنانی آئینی اداروں کو اپنے اختیار کو بروئے کار لانے اور اپنی پوری سرزمین پر لبنانی ریاست کی خودمختاری کو بڑھانے کا کہا گیا۔

عرب اسلامی سربراہی اجلاس کے حتمی بیان میں لبنان میں اقوام متحدہ کی امن فوج پر اسرائیل کے دانستہ حملوں کی واضح مذمت کی گئی۔ اس حوالے سے سلامتی کونسل سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کے اجلاس کے انعقاد کو یقینی بنائے۔ لبنان میں اقوام متحدہ کی فوج کے بینر تلے کام کرنے والی امن فوج کی حفاظت کو یقینی بنانے کو اسرائیل کی ذمہ داری قرار دی گئی۔

فلسطینیوں کو بے گھر کرنے کی مذمت:

حتمی بیان میں فلسطینی شہریوں کی ان کی سرزمین کے اندر یا باہر نقل مکانی کو بھی مسترد کر دیا گیا کیونکہ یہ ایک جنگی جرم ہے اور بین الاقوامی قانون کی کھلی خلاف ورزی ہے۔

اسرائیل کی طرف سے جاری اجتماعی سزا اور محاصرے کے استعمال کی بھی مذمت کی گئی ہے۔ غزہ کی پٹی میں شہریوں کے خلاف بھوک کو ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کرنے کی مذمت کی گئی اور عالمی برادری سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ جارحیت کی وجہ سے پیدا ہونے والی انسانی تباہی کے خاتمے کے لیے فوری طور پر عملی اقدامات کرے۔

اسرائیل کو غزہ کی پٹی سے مکمل طور پر دستبردار ہونے پر مجبور کیا جائے۔ غزہ کی تمام گزرگاہیں کھولی جائیں۔ غزہ

کی پٹی میں محفوظ اور تیز رفتار طریقے سے انسانی امداد کی رسائی کو یقینی بنایا جائے۔

رفح سے اسرائیل کا انخلا:

متعلقہ سیاق وسباق میں عرب اسلامی حکمرانوں نے رفح کراسنگ اور فلاڈیلفیا کوریڈور (صلاح الدین کوریڈور) سے اسرائیلی افواج کے فوری انخلا، رفح کراسنگ کا انتظام فلسطینی نیشنل اتھارٹی کو واپس دینے اور اس کراسنگ سے آمد و رفت شروع کرانے کا مطالبہ کیا۔ بین الاقوامی فوجداری عدالت سے مطالبہ کیا گیا کہ فلسطینی عوام کے خلاف جرائم کا ارتکاب کرنے والے اسرائیلیوں کی گرفتاری کے وارنٹ جاری کیے جائیں۔

اسرائیل پر پابندیوں کا مطالبہ:

حتمی بیان میں سلامتی کونسل اور عالمی برادری سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ ضروری فیصلے لیں۔ مقبوضہ مغربی کنارے میں اسرائیل کے غیر قانونی اقدامات کو روکنے کے لیے اس پر پابندیاں عائد کریں۔ یہ وہ غیر قانونی اقدامات ہیں جو دو ریاستی حل کو نقصان پہنچا رہے ہیں اور مسئلہ کے منصفانہ اور جامع حل کے حصول کے تمام امکانات کو ختم کر رہے ہیں۔

اسرائیل کی استعماری پالیسیوں کو مجرمانہ قرار دیا جائے۔ اسرائیلی اتھارٹی کی طرف سے غیر قانونی آبادکاری کو توسیع دینے کے مقصد سے مقبوضہ فلسطینی علاقوں کے کسی بھی حصے کو زبردستی الحاق کرنے کا عمل جاری ہے۔ اسرائیلیوں کی آبادکاری اقوام متحدہ کے چارٹر اور بین الاقوامی قانون کی صریح خلاف ورزی ہے۔ یہ اقوام متحدہ کی متعلقہ قراردادوں کی بھی کھلی خلاف ورزی ہے۔ سعودی وزیر خارجہ نے فلسطین کی ریاست کو تسلیم کرنے میں تیزی لانے کی اہمیت پر زور دیا اور کہا کہ غزہ میں جو کچھ ہو رہا ہے اس پر عالمی برادری کے پاس اپنی خاموشی کا جواز پیش کرنے کا موقع نہ دیا جائے۔

جنگ جاری رہنا بین الاقوامی ناکامی:

سعودی شہزادہ فیصل بن فرحان نے مزید کہا کہ عرب اسلامی موقف خطے میں کشیدگی کو پرسکون کرنے میں مدد کرتا ہے۔ انہوں نے زور دیا کہ غزہ میں جنگ کا جاری رہنا پوری عالمی برادری کی ناکامی ہے۔

فلسطینی ریاست کا قیام واحد حل:

سعودی وزیر خارجہ شہزادہ فیصل بن فرحان نے غیر معمولی عرب اسلامی سربراہی اجلاس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے غزہ کو امداد کی آمد پر پابندیاں ہٹانے کی ضرورت پر زور دیا۔ انہوں نے کہا سربراہی اجلاس کا مقصد خطے میں کشیدگی کو کم کرنا ہے۔ ریاست فلسطین کا قیام ہی مشرق وسطیٰ میں تنازعات کا حل ہے۔ سربراہی اجلاس میں جنگ بندی تک پہنچنے اور اس کے لیے مربوط اقدامات پر تبادلہ خیال کیا گیا۔

جنگ روکنا اولین ترجیح:

سعودی وزیر خارجہ نے مزید کہا کہ سربراہی اجلاس کا مقصد خطے میں کشیدگی کو کم کرنا ہے اور جنگ کو روکنا اور فلسطینیوں کے مصائب کو کم کرنا اولین ترجیح ہے۔ انہوں نے خطے میں امن کو مستحکم کرنے والے مستقل حل کی ضرورت پر زور دیا۔

غزہ میں مسلط کردہ قحط:

مہذب مغرب کے شاگرد اسرائیل کا مہلک ہتھیار

اس وقت جب صہیونی پروپیگنڈہ مشینری غزہ میں نئے محور کے افتتاح اور امداد کی ترسیل کے ساتھ نام نہاد ''انسانی بنیادوں پر زون'' کی توسیع کو فروغ دینے کے لیے بھرپور کام کر رہی ہے، زمینی حقائق کچھ اور ہی بتاتے ہیں۔

غزہ کی صورت حال پر نظر رکھنے والا کوئی بھی شخص واضح طور پر دیکھ سکتا ہے کہ جب اسرائیلی قابض فوج نئی کراسنگ کھولنے کا دعویٰ کرتی ہے، تو اس کے ساتھ ہی وہ پہلے سے کام کرنے والی جگہوں کو بند کر دیتی ہے جو سامان اور امداد کے بہاؤ کے لیے اچھی طرح سے لیس ہیں۔

اسرائیل کی جانب سے اگر کچھ امدادی ٹرکوں کو داخلے کی اجازت دی جاتی ہے، تو وہ اکثر چوروں کے گروہوں کی طرف سے لوٹ لیے جاتے ہیں۔ عام طور پر قابض فوج کے ساتھی ہی امداد چوری کرتے ہیں اور پھر اسے منڈیوں میں مہنگے داموں بیچ دیتے ہیں۔

مزید برآں، جسے قابض فوج ''انسانی بنیادوں پر زون'' سے تعبیر کرتی ہے وہ موت کے جال کے سوا کچھ نہیں، جہاں کسی بھی وقت اسرائیلی طیارے بے گھر ہونے والوں کے خیموں پر بمباری کر کے انہیں جہنم میں تبدیل کر دیتے ہیں، جس میں بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کو بے رحمی سے قتل کیا جاتا ہے۔ جو نقل مکانی، پیاس اور بھوک کا ایک طویل سفر طے کر کے یہاں تک آئے ہوتے ہیں۔

یہ غزہ کی سنگین حقیقت کے بارے میں کوئی مبالغہ آرائی نہیں ہے جو ایک سال سے جاری مجرمانہ جنگ کے شعلوں میں جل رہا ہے۔ یہ سچائی عالمی انسانی تنظیموں، اقوام متحدہ اور بین الاقوامی ذرائع ابلاغ کے سامنے ہے۔ غاصبانہ بیانیہ کی طرف تعصب کے باوجود وہ صیہونی حکومت کے مسلسل جرائم پر پردہ نہیں ڈال سکتے۔

خالی منڈیاں اور آسمان چھوتی ہوئی قیمتیں:

دیرالبلح کے بازار کا ایک سادہ سا دورہ، جہاں ہزاروں بے گھر افراد نے پناہ لی ہے، خریداروں کے چہروں پر چھائی ہوئی مایوسی اور بے بسی کو ظاہر کرتا ہے۔ وہ ضروری اشیاء کی کمی اور جو کچھ بھی بچا ہے اس کی آسمان کو چھوتی قیمتوں کے درمیان پھنسے ہوئے ہیں۔

''ابو ہادی'' اور ان کے چھ بچوں کو جنگ کے آغاز میں ساحلی پناہ گزین کیمپ سے دیرالبلح میں زبردستی نقل مکانی پہ مجبور کیا گیا تھا۔ وہ کافی دیر تک بازار میں گھومتے رہے، لیکن انہیں اس خیمے میں واپس لانے کے لیے کچھ نہیں ملا جہاں ان کا خاندان بھوک مٹانے کے لیے کھانے کی امید میں ان کا انتظار کر رہا تھا۔

اداسی بھری آواز کے ساتھ وہ کہتے ہیں کہ ''یہ بازار نہیں ہے یہ ایک آفت ہے۔'' ہم اس طرح زندہ نہیں رہ سکتے، اشیاء کی قیمتیں سوچ سے باہر ہیں۔ بہت سی سبزیاں اور گوشت کافی عرصے سے مارکیٹ سے بالکل غائب ہے اور یہاں تک کہ دستیاب ڈبہ بند اشیاء بھی مہنگی ہو گئی ہیں۔''

ابو ہادی کا خیال ہے کہ شمال سے جنوب تک تمام غزہ اب ایک حقیقی قحط کا سامنا کر رہا ہے۔ یہاں تک کہ سادہ ترین کھانے کی تیاری کے لیے بنیادی اجزاء اب دسترس میں نہیں ہیں، اور انہیں حاصل کرنا مشکل ہے اور اس کے لیے پیسے کی ضرورت ہوتی ہے جو لوگوں کے پاس نہیں ہے۔

دیرالبلح کی ستر سالہ ام صلاح کہتی ہیں کہ میں نے اپنی طویل زندگی میں ان سے زیادہ برے دن نہیں دیکھے۔ ہم ایک سادہ سلاد کا پیالہ بنانے سے قاصر ہیں۔ ہم مہینوں سے اس کے لیے ترس رہے ہیں، ہم ایک ایسی جنگ میں ہیں جو ہم نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔

اپنی آواز میں اداسی کے ساتھ، انہوں نے مزید کہا، "وہ ہمیں بموں اور گولیوں سے مار کر مطمئن نہیں ہوئے، اور اب وہ ہمیں بھوک سے مارنا چاہتے ہیں۔" انہوں نے عرب اور مسلم دنیا سے اپیل کی کہ وہ جاگیں اور غزہ کے مظلوم عوام کی طرف دیکھیں۔ ''خدا ہر اس شخص پر لعنت کرے جو پیٹ بھر کر سوتا ہے اور اس کا پڑوسی بھوکا ہوتا ہے۔''

سرکاری ملازم علاء نے بتایا کہ غزہ میں ایک عام خاندان کے کھانے کی قیمت کم از کم 100 شیکل (30 ڈالر) ہے، جب کہ ایک ملازم کی اوسط تنخواہ 800 شیکل (240 ڈالر) سے زیادہ نہیں ہے۔ ''یہ صرف ایک دن کے کھانے کے لیے ہے، دوسرے اخراجات کے حساب کے بغیر،'' انہوں نے کہا۔

انہوں نے کہا کہ ''ہم ایک حقیقی قحط کی حالت میں ہیں، شمالی اور جنوبی غزہ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ وہم پیدا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ شمالی غزہ جنوب سے مختلف ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ تمام غزہ والے بھوک کے ہتھیار سے لڑ رہے ہیں۔'' شمال میں، ہاں، یہ زیادہ شدید ہے، لیکن جنوب میں بھی بہت زیادہ نقصان ہوتا ہے۔''

ہولناک صورتحال اور قحط کے دہانے پر:

ورلڈ فوڈ پروگرام نے کہا ہے کہ 7 اکتوبر 2023 سے مکمل محاصرے اور جاری صہیونی جارحیت کی وجہ سے غزہ کی منڈیوں کی حالت تشویشناک ہے۔

اقوام متحدہ کے پروگرام نے ''ایکس'' پلیٹ فارم پر ایک پوسٹ میں مزید کہا ہے کہ ''تازہ خوراک، انڈے اور گوشت دستیاب نہیں ہیں، اور قیمتیں بے مثال سطح پر پہنچ گئی ہیں۔''

پروگرام نے اپنی ٹیم سے مطالبہ کیا ہے کہ غزہ کے انتہائی ضرورت مند باشندوں تک پہنچنے کی اجازت دی جائے، یہ بتاتے ہوئے کہ امداد کی کمی نے خاندانوں کی زندگی کو مزید مشکل بنا دیا ہے۔

انٹیگریٹڈ فوڈ سیکیورٹی فیز کی درجہ بندی کی قحط پر نظر ثانی کمیٹی نے اس ہفتے ایک نادر انتباہ جاری کیا، جس میں غزہ میں تیزی سے بگڑتی ہوئی صورتحال کی وجہ سے ''قحط کے آنے والے اور شدید خطرے'' پر تشویش کا اظہار کیا گیا۔

قبل ازیں یورو میڈ یٹیرینین ہیومن رائٹس مانیٹر نے کہا تھا کہ ہزاروں فلسطینی جن میں شمالی غزہ کے تین ہسپتالوں کے مریض بھی شامل ہیں، غیر قانونی اسرائیلی ناکہ بندی کی وجہ سے بھوک یا صحت کو پہنچنے والے مستقل نقصان سے فوری طور پر موت کے خطرے سے دوچار ہیں۔

مانیٹر نے زور دیا ہے کہ ''یہ وقت ہے کہ سرکاری طور پر پورے غزہ میں قحط کا اعلان کیا جائے، خاص طور پر شمال میں، تمام قانونی اور اخلاقی ذمہ داریوں کے ساتھ جو اس طرح کے اعلان کے ساتھ آتے ہیں۔''

آبزرویٹری نے متعلقہ سرکاری حکام اور مجاز بین الاقوامی اداروں سے شمالی غزہ کی پٹی میں قحط کا باضابطہ اعلان کرنے کا مطالبہ کیا ہے، جہاں 50 دن سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے کہ اسرائیل نے وہاں پھنسے ہوئے لاکھوں شہریوں کے لیے کسی بھی قسم کی امداد یا سامان کے داخلے کو روک رکھا ہے، جنہیں پہلے ہی سے قتل اور جبری نقل مکانی کے ذریعے ختم کرنے کے لیے انتہائی پرتشدد نسل کشی کی مہم کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔

امریکی امدادی تنظیموں نے کہا ہے کہ قابض حکام کی وجہ سے پورے غزہ میں 800,000 شہریوں کے لیے فاقہ کشی کے حالات پیدا ہو گئے ہیں، اس بات پر زور دیتے ہوئے کہ قابض ریاست غزہ میں شہریوں کو مناسب امداد کی فراہمی میں سہولت فراہم کرنے کے لیے اپنی قانونی ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں ناکام رہی ہے۔

امدادی تنظیموں نے وضاحت کی ہے کہ امداد کی ترسیل میں حائل رکاوٹوں نے شہریوں کی اموات اور مصائب میں اضافہ کیا ہے۔

انروا کے کمشنر جنرل فلپ لازارینی نے کہا ہے کہ شمالی غزہ میں قحط کا امکان ہے، جہاں ایک ماہ سے زائد عرصے سے اسرائیل کی جانب سے نسلی صفائی کی مہم جاری ہے۔

انہوں نے کہا کہ قابض اسرائیل بھوک کو ہتھیار کے طور پر استعمال کر رہا ہے، غزہ کے لوگوں کو زندہ رہنے کے لیے خوراک سمیت دیگر ضروری چیزوں سے محروم کر رہا ہے۔

انہوں نے کہا کہ غزہ میں داخل ہونے والی امداد ناکافی ہے، روزانہ اوسطاً صرف 30 ٹرکوں کے ساتھ، جو فلسطینیوں کی روزانہ کی ضروریات کا صرف 6 فیصد پورا کر

پاتے ہیں، گزارا ممکن نہیں۔

محاصرہ پر ہی اکتفا نہیں:

اسرائیل امداد روکنے کے لیے کئی ہتھکنڈے استعمال کر رہا ہے۔ زمین پر جو کچھ ہو رہا ہے وہ صرف امداد اور سامان کو غزہ میں داخل ہونے سے روکنے کے بارے میں نہیں ہے۔ کچھ اور ایسا ہے جو غزہ کے مکین جانتے ہیں، اور جس کی تصدیق اسرائیلی اخبار ہارٹز کی ایک تحقیقاتی رپورٹ سے بھی ہوئی ہے۔

گذشتہ اتوار کو شائع ہونے والی اس رپورٹ میں انکشاف کیا گیا ہے کہ اسرائیلی فوج غزہ میں مسلح گروہوں کو امدادی ٹرکوں کو لوٹنے اور بھتہ وصول کرنے کی اجازت دیتی ہے۔

ہارٹز کے مطابق، رفح کے علاقے میں دو معروف خاندانوں سے منسلک مسلح گروہ منظم طریقے سے کریم سالم محور کے ذریعے غزہ میں داخل ہونے والے ٹرکوں کے ایک اہم حصے کو اپنی منزلوں تک پہنچنے سے روکتے ہیں۔ اسرائیلی فوج جان بوجھ کر ان کارروائیوں سے آنکھیں بند رکھتی ہے۔

بین الاقوامی امدادی تنظیموں کے ذرائع نے اطلاع دی ہے کہ مسلح افراد عارضی چوکیوں کا استعمال کرتے ہوئے ٹرکوں کو روکتے ہیں یا ان کے ٹائروں پر گولی چلاتے ہیں، پھر 15,000 شیکل کی ''ٹرانزٹ فیس'' کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اگر ڈرائیور انکار کرتا ہے، تو اس کے ٹرک کے ہائی جیک ہونے یا پکڑے جانے اور سامان چوری ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔

یہ حملے اس کی فوج سے چند سو میٹر کے فاصلے پر، اسرائیلی فوج کی کڑی نظر میں کیے جاتے ہیں۔ کچھ امدادی تنظیموں نے ان واقعات کے بارے میں اسرائیلی فوج سے رابطہ کیا لیکن انہوں نے مداخلت کرنے سے انکار کر دیا۔

امدادی تنظیموں نے کہا کہ اسرائیلی فوج انہیں محفوظ راستے استعمال کرنے سے بھی روکتی ہے۔

غزہ میں کام کرنے والی ایک بین الاقوامی تنظیم کے ایک سینیئر اہلکار نے بتایا کہ ''میں نے وہاں سے صرف 100 میٹر کے فاصلے پر ایک اسرائیلی ٹینک دیکھا جہاں ایک مسلح فلسطینی کلاشنکوف کے ساتھ کھڑا تھا۔ مسلح افراد نے ڈرائیوروں کو مارا پیٹا اور سارا کھانا لے گئے۔''

ایسے واقعات سے بچنے کے لیے، کچھ امدادی تنظیموں نے بھتہ کی رقم ایک فلسطینی کمپنی کے ذریعے ادا کرنے پر اتفاق کیا جو ثالث کے طور پر کام کر رہی تھی۔

جس علاقے میں امداد لوٹی جا رہی ہے وہ اسرائیلی فضائی نگرانی میں ہے جس کی ڈرونز کے ذریعے نگرانی کی جاتی ہے۔

بین الاقوامی امدادی تنظیموں کے مطابق امدادی ٹرکوں کی لوٹ مار موثر شہری حکمرانی کی عدم موجودگی کی وجہ سے غزہ میں مکمل افراتفری کی عکاسی کرتی ہے۔ مقامی پولیس کی باقیات نے چوروں کے خلاف کارروائی کرنے کی کوشش کی لیکن اسرائیلی فوج نے یہ دعویٰ کرتے ہوئے ان پر حملہ کر دیا کہ وہ حماس کا حصہ ہیں۔

تحقیقات سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ بین الاقوامی تنظیموں کا خیال ہے کہ مسئلہ کو حل کرنے اور غزہ میں فلسطینیوں تک پہنچنے کے لیے امداد کو فعال کرنے کے لیے ایک پولیس فورس کی ضرورت ہے - چاہے وہ فلسطینی ہو یا بین الاقوامی۔ تاہم یہ ایسا قدم ہے، جس کی اسرائیلی فوجی اور سیاسی قیادت مخالفت کرتی ہے۔

فلسطین: ہمارا ادیب اور شاعر کہاں ہیں؟

فدوی طوقان فلسطینی شاعرہ ہیں۔ یہ ان کی ڈائری کا ایک ورق، جس کا ترجمہ محمد کاظم نے کیا تھا اور یہ سنگ میل سے 'عربی ادب کے مطالعے' میں شائع ہوا تھا۔ معلوم نہیں اب یہ شاعرہ زندہ ہے یا ملبے کا حصہ بن چکی ہے لیکن اس کا درد آج بھی زندہ ہے۔ لکھتی ہیں:

''آہ بہار! جس کی سانسوں میں شباب کی لپٹ ہوتی ہے۔ میں اپنی رگوں میں زندگی کو سرایت کرتے ہوئے محسوس کرتی ہوں۔ میں ابھی مشوار سے واپس آئی ہوں۔ آسماں پر چودہویں کا چاند تھا اور ہوا میں ہزاروں خوشبوؤں کی مہک تھی۔ میں ابھی اپنی دوست ''ا۔ن'' کو اس کے خط کا جواب دوں گی۔ اس کے خط ہمیشہ موت کے ذکر سے بوجھل ہوتے ہیں۔ میں اُسے اپنے سفرِ مشوار کے متعلق بتاؤں گی کہ میں وہاں کھڑے ہوئے کیسے سوچتی تھی کہ اپنے دونوں ہاتھوں میں اس کی مٹی بھر لوں اور اس کی ہوا میں اتنا سانس لوں کہ میری طبیعت سیر ہو جائے اور میں کیسے اس کی پہاڑیوں کو دیکھ کر خواہش کرتی تھی کہ کاش ان میں سے کسی کی چوٹی پر پہنچ کر میری زندگی ختم ہو جائے۔ ایسی جگہ پر موت کتنی مرغوب ہوتی ہے جہاں قبر میں پڑے ہوئے انسان کے جسم سے جنگلی پھول اور بیلیں پھوٹ نکلیں۔ میرا دیس کیسا خوب صورت ہے! یہ کیوں کر ممکن ہے کہ میں اس کے سوا کسی اور زمین پر جان دوں۔ میرے پیارے مہاجر انسانو! یہ کتنا ستم ہے کہ انسان اپنی زمین سے دور کسی اور زمین پر اجنبی بن کر مرے''۔

فدوی طوقان کی ڈائری کا ورق پڑھ کر میں سوچ رہا ہوں کہ غزہ میں انسانی المیے کی بدترین شکل کو ایک سال سے زیادہ کا عرصہ ہو چکا ہے۔ لیکن ہمارے ادیب گونگے ہو چکے اور ہمارے شاعروں کو سانپ سونگھ گیا۔ نہ کوئی نظم ہے، نہ کوئی شعر ہے، نہ کوئی مرثیہ ہے نہ کوئی نوحہ ہے، نہ کوئی افسانہ ہے، نہ کوئی کہانی ہے۔

ہم پہلے تو ایسے نہ تھے۔ ہمارے لوگوں نے خود بھی لکھا اور تراجم بھی کیے۔ اب کیا ہو گیا ہے؟

انتظار حسین کا افسانہ 'کانا دجال'، پڑھیں تو دل لہو ہو جاتا ہے۔ مسلمانوں کے سرنڈر کی خبر سن کر بوڑھا دیہاتی جب ٹھنڈی سانس لے کر کہتا ہے: 'جہاں ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلند ہوئے تھے وہاں ہم پست ہو گئے'' تو آنکھیں بھر آتی ہیں۔ اس افسانے کا حسن بیان اپنی مثال آپ ہے۔ انتظار حسین نے شاہکار تخلیق کیا ہے۔

قدرت اللہ شہاب نے 'اے بنی اسرائیل' لکھا اور حق ادا کر دیا۔ ''اے بنی اسرائیل! یاد رکھو، اس عرب بچی کا سہما دل اور اس کی غمزدہ ماں کی دبی ہوئی آہ تمہارے سر پر کوہ طور سے بھی زیادہ خطرناک پہاڑ کی طرح لٹک رہی ہے، اگر خدا اپنی بات کا سچا ہے تو تم امریکہ اور انگلستان میں ڈھلے ہوئے سونے اور چاندی کے بچھڑوں کی جس قدر چاہے پوجا کر لو لیکن خدا کا جو چکر تمہارے پاؤں میں پڑا ہوا ہے اس سے تمہیں نجات نہیں مل سکتی''۔

مظہر الاسلام کا افسانہ 'زمین کا اغوا' بھی دل کا درد ہے: ''یہ علاقہ میرا ہے، یہ زمین میری ہے اور یہ اونٹنی اس قوم کی گواہی دیتی ہے کہ اس نے آج تک اپنے وطن کی سرحدوں سے بغاوت نہیں کی''۔

سمیع آہوجہ نے 'تتلی کا جنم' کیا لکھا، لہو رلا دیا۔ باپ گھر کے باغیچے میں بیٹی سے اور بیٹی تتلی سے کھیل رہی ہے اور پھر ایک دھماکہ ہوتا ہے۔ ''دوڑو دوڑو دریا کی طرف دوڑو میری بیٹی، ابو میری تتلی؟ ارے پگلی چھوڑ اسے بھاگ۔ وہ پلٹ کر تتلی کے پیچھے گھر کو بھاگی اور اس کے پیچھے بانہیں پھیلائے اس کی ماں۔ ابو ابو مگر میری تتلی اس کے الفاظ ابھی ہونٹوں سے پھوٹے ہی تھے کہ۔۔۔ ایک اور دھماکہ۔ گوشت کے چھوٹے بڑے پارچے، بارود کی بو، مٹی کے غبار، اور ملبے کے ڈھیر میں غرق ہو گئے۔ میری بچی''۔

اور پھر قرۃ العین حیدر کا 'یہ غازی یہ تیرے پراسرار بندے'۔ ''اے میرے رب میری حفاظت کر، میری ناؤ چھوٹی سی ہے اور تیرا سمندر بہت بڑا''۔

مستنصر حسین تارڑ کا سفرنامہ 'خانہ بدوش'۔ درد میں ڈوبا کتنا سرد اختتام تھا اس کا۔ ''میں سینکڑوں فلسطینیوں سے مل چکا تھا مگر احمد ایک مختلف انسان تھا۔ وطن اس کے لیے اغواء شدہ بچہ تھا جو جذباتی ہونے سے نہیں مل سکتا تھا۔ اس کی تلاش میں اس کے نقش نہیں بھولنے تھے اور ایک سرد منصوبہ بندی سے خرکار کیمپ تک پہنچا تھا۔ وہ بچہ احمد ایسے لوگوں کا انتظار کر رہا ہے''۔

اردو شاعری میں فلسطین کا ایک پورا جہاں آباد ہے۔ اقبالؒ کی نہ صرف نثر بلکہ شاعری میں بھی یہ درد نمایاں ہے۔ اپنی نظم 'فلسطینی عرب سے' میں اقبال نے کہا تھا: فرنگ کی رگِ جاں پنجہ یہود میں ہے۔

فیض احمد فیض نے 'سر وادی سینا' میں لکھا: یہیں سے اٹھے گا روزِ محشر، یہیں پہ روزِ حساب ہوگا۔ 'لاخوف علیھم' اور 'کربلائے لبنان' فیض احمد فیض کے اسی درد اور کرب کا اظہار ہیں۔

اسرائیل کے ہاتھوں مصر کی شکست پر احمد ندیم نے 'روشنی کی تلاش' میں سوال اٹھایا: اب کہاں جاؤ گے، اے دیدہ ورو۔ فلسطینی مجاہدین کا قتل عام ہوا تو 'اردن' کے عنوان سے لکھی نظم میں احمد ندیم قاسمی نے کیا نوحہ لکھا:

''ہم سب لہو کے اس دشت میں
کھڑے سوچتے ہیں
جو ہاتھ ہم پہ اٹھے ہمارے ہی ہاتھ تھے
مگر ان میں کس کے خنجر تھے''

ابنِ انشاء کی 'دیوارِ گریہ' کا تو جواب نہیں۔ سب کچھ ہی اس نظم میں کہہ دیا گیا ہے۔ منظور عارف کی نظم 'آئینے کے داغ' میں بیان ہوا وہ کرب: اتنا ٹھنڈا کبھی صحرا تو نہ تھا۔

منظور عارف ہی کی نظم 'قبلہ اول' کا وہ اختتام: آتش بازو! کوئی عقیدہ اور نظریہ آگ میں کیسے جل سکتا ہے، یہ تو اس میں کندن بن کر اور دمکنے لگتا ہے۔

حبیب جالب کی 'الفتح کے جوانو'۔ احمد فراز کی 'بیروت' سے ٹپکتا وہ درد کہ ''حرم سراوں میں خوش مقدر شیوخ چپ، بادشاہ چپ ہیں''۔

ضمیر جعفری کی 'لیلی خالد'، شہزاد احمد کی 'حسین کا سبق' کہ ہم کو تو مسجد اقصی بھی ہے قرآں کا ورق۔ محمود شام کی 'بنت اقصی'، رئیس امروہی کی 'فدیہ'، زاہد ملک کی 'امڈے سیلاب ذرا ٹھہر!'، فیروز شاہ کی 'کامران لہو کی بشارتیں'، بلقیس محمود کی 'پکار'، سلطان رشک کی 'ضربِ کاری'، حسن عباس رضا کی 'ابھی علم پھڑ پھڑا رہے ہیں'، احمد شمیم کا 'موت سے پہلے نوحہ'۔۔۔ شدتِ غم میں محبتوں کی ایک مالا ہی تو پرو دی گئی ہے۔

سوال یہ ہے کہ اب ہمارے ادیبوں اور شاعروں کو کیا ہو گیا ہے؟ اتنے بڑے قتل عام سے یہ لاتعلق کیوں؟

آصف محمود: بشکریہ روزنامہ 92 نیوز

انروا پر پابندی کا فیصلہ واشنگٹن میں ہوا

تجزیہ۔۔۔مرزا محمد الیاس

دنیا بھر میں یہ اصول اور طریقہ رائج ہے کہ آفات، زلزلوں اور جنگوں میں بھی امدادی سرگرمیاں جاری رہنے دی جاتی ہیں۔ انہیں روکا نہیں جاتا۔ ریڈ کراس کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ ایسے اداروں اور تنظیموں کا مقصد بھی یہی سمجھا جاتا ہے کہ یہ انسانی ابتلاء کو ختم نہیں تو کم ضرور کرتی ہیں۔ اقوام متحدہ کی امن فوج کے ایک کردار کو یوں بھی سمجھا جاتا ہے کہ جہاں نیلی کیپ والے نظر آئیں گے، وہاں امن ہوگا یا جنگ روک دی جائے گی۔ اس سے مراد یہ بھی لیا جاتا ہے کہ امن بحال کرنے کے لیے عالمی ادارہ اب میدان میں آگیا ہے۔

فلسطین میں جن قوتوں نے جنگ کے شعلے بھڑکائے اور 1948ء سے ناانصافی اور ظلم کا ایک دروازہ ''مستقل طور'' پر کھولا اور مشرق وسطیٰ میں بالکل انوکھی مثال قائم کردی کہ وہاں صیہونی تحریک کی سرپرستی کی اور اسرائیل قائم کیا۔ آج تک وہاں امن قائم نہیں ہوسکا۔ اس لیے کہ اس ناجائز ریاست کو قائم کرنے والوں نے صیہونی تحریک سے اتفاق کیا کہ نہ صرف فلسطین میں بدامنی، بے چینی اور جنگ جاری رہیں گی بل کہ پاس پڑوس کے عرب ممالک کو بھی مستقل دردِسر دیا جاتا رہے گا۔

پہلا قدم یہ اٹھایا گیا کہ دو ریاستوں کا شوبہ چھوڑا گیا۔ ایک کو اسرائیل کہا گیا اور دوسرے کو فلسطین کہا گیا۔ پہلے دونوں پر فلسطین ہی تھا۔ دنیا سے یہودی یہاں لانے گئے تاکہ اسرائیل کا وجود ثابت کیا جائے۔ عرب ممالک نے جو کردار خود اپنے لیے منتخب کیا، وہ شتر مرغ کا رہا۔ وہ اپنا سر چھپائے سمجھتے رہے کہ وقت گزر رہا ہے۔ اب یہ وقت مکمل طور پر گزر چکا ہے۔ صورت حال یہ ہے کہ کسی فلسطینی کے لیے زندگی بسر کرنا کسی اعتبار سے بھی ممکن نہیں رہا۔

بدامنی اور جنگ نے سارے فلسطین کو گھیرے میں لے رکھا ہے۔ زندگی واقعی اجیرن بنادی گئی ہے۔ امریکہ اور اس کے اتحادی ممالک نے اسرائیل کو اسلحہ کا ایک بڑا ڈمپ بنا دیا ہے۔ اسرائیل کو اسلحہ یوں دیا جارہا ہے گویا کہ گلی کے بچوں میں ریوڑیاں بانٹی جارہی ہیں۔ یہ اسلحہ بے گناہ فلسطینیوں پر استعمال ہورہا ہے۔

فلسطینی کی ابتلاء کی وجہ سے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ایک ادارہ انروا (UNRWA) قائم کیا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ فلسطین کے تمام حصوں بہ شمول آج کے عرب مقبوضات مغربی کنارے، غزہ، مقبوضہ بیت المقدس و دیگر کے علاوہ شام، اردن اور عرب ممالک میں ہجرت کر کے

جانے والے، اپنے گھروں سے زبردستی نکالے گئے فلسطینی جہاں بھی ہوں، کی انسانی بنیادوں پر امداد کی جائے۔ انہیں صحت وتعلیم کی وہ سہولتیں فراہم کی جائیں، جو بے دخلی کی وجہ سے ان سے چھین لی گئی ہیں۔

اسرائیل نے ان سہولتوں پر ہمیشہ ہی جنگی کیفیت مسلط کرنے کا جرم کیا ہے۔ عالمی عدالت انصاف بھی اسے جنگی جرم قرار دیتی ہے۔ جرائم کی عالمی عدالت نے اسرائیل کے وزیراعظم بنجمن نیتن یاہو کو جنگی مجرم قرار دیا ہے۔ اب اسرائیل نے ایک قدم اور آگے بڑھایا ہے اور انروا (UNRWA) کے اوپر حملوں کے سلسلے کو دراز کرنے کے ساتھ اس کی پارلیمان کنیسیٹ نے 28 اکتوبر کو اسے کام کرنے سے روکنے کا بل قانون بنادیا ہے۔

فلسطینی مہاجرین کے لیے ریلیف اینڈ ورکس ایجنسی انروا کو روکنے کا اقدام بہ ظاہر جنگ زدہ غزہ کے 23 لاکھ فلسطینیوں کو فراہم کی جانے والی مختصر اور ناکافی سہولتوں کو ختم کرنے کے لیے ہے، تاہم یہ اس بات کا اعلان بھی ہے کہ اسرائیل اس ایجنسی کو تسلیم ہی نہیں کرتا۔ یاد رہے کہ کچھ عرصہ قبل الجزیرہ ٹی وی کو بھی اپنی سرگرمیاں بند کرنے کا حکم جاری کیا گیا تھا۔

اس ریلیف ایجنسی پر یہ قانون 90 دنوں میں نافذ العمل سمجھا جائے گا۔ اس پر ایک طرح سے پہلے سے ہی نفاذ کی تلوار چل رہی ہے۔ انروا کے تعلیمی اداروں کو فلسطینی پناہ گاہوں کے طور پر استعمال کر رہے ہیں۔ ان کے بیشتر سکولوں کو پہلے ہی میزائیلوں سے تباہ کردیا گیا ہے۔ ان میں پناہ لینے والے سینکڑوں بچے، بوڑھے اور جوان، خواتین سب شہید کیے جاچکے ہیں۔ اس کے باوجود انروا کے سکولوں کو اس مقصد کے لیے ''بے گھر لوگ'' استعمال کرتے ہیں۔ انروا کے لیے نہایت مشکل بنایا گیا ہے کہ غزہ میں بالخصوص گزشتہ ایک سال سے وہ اپنی سرگرمیاں جاری رکھ سکے۔

انروا ہی اس وقت واحد عالمی ایجنسی ہے جو کسی حد تک ریلیف کے کام کر رہی ہے۔ کسی اور ادارے یا ایجنسی کو رفاہ سے ہی روک دیا جاتا ہے۔ ایجنسی اپنے سینکڑوں کارکنوں کے مارے جانے کے باوجود کام کر رہی ہے۔ اسرائیل کی پارلیمان نے 10 کے مقابلے میں 92 ووٹوں سے یہ قانون سازی کی ہے۔ اس سے یہ سمجھنا ناممکن نہیں ہے کہ اسرائیل کے اندر صہیونیت کا جنگ زدہ سیاست دان فلسطینیوں کے بے طرح مارے جانے کو ہی اپنی بقا سمجھتا ہے۔ یہ اسرائیل کی کمزوری کی دلیل ہے، یہ مضبوطی نہیں ہے۔ انروا کو ''دہشت گرد'' گروہ بھی قرار دیا گیا ہے۔

انروا کے ہیڈ کا کہنا ہے کہ اسرائیل نے ایک خطرناک مثال قائم کی ہے۔ اس سے اس کے سوا اور کیا حاصل ہوگا کہ فلسطینیوں کی مشکلات میں اضافہ ہو جائے گا۔ صہیونی ریاست یہی چاہتی ہے۔ سوشل میڈیا پر ایکس (X) میں چیف فلپ لزانی نے مایوسی کا اظہار کیا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ ''اقوام متحدہ رکن ملک اسرائیل نے بین الاقوامی

ادارے کے ہی ریلیف کے کام کو نشانہ بنایا ہے۔ اسرائیل نے اس ایجنسی کو ختم کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ ایجنسی غزہ کے ان مشکل ترین حالات میں انسانی ریلیف کے کام سے ہمیں وکنے کا اقدام کر کے ہماری کوششوں کو بے وقعت ہی نہیں کیا، فلسطینیوں کی معمولی سی امداد کو بھی برداشت نہ کرنے کا پیغام دیا ہے۔ یہ اقدام بین الاقوامی طور پر ناقابل فہم بھی ہے اور ناقابل قبول بھی ہے۔''

انروا کے میڈیا ایڈوائزر عدنان ابوحسنہ نے کہا ہے کہ ایجنسی کو کام سے روکنے کا صہیونی اقدام کا مطلب یہ ہے کہ انسانی بنیادوں پر ہونے والی سرگرمیوں کو قوت کے زور پر ختم کرایا جائے گا۔ الجزیرہ ٹی وی سے بات کرتے ہوئے ابوحسنہ نے اسے غیر معمولی اشتعال کا سبب قرار دیا ہے۔

یہ ریلیف ایجنسی غزہ اور مغربی کنارے میں ضروری امداد فراہم کر رہی تھی۔ مقبوضہ مشرقی بیت المقدس میں صہیونی کارروائیوں کے نتیجے میں آنے والی تباہی اور انسانی مشکلات کم کرنے میں کردار ادا کر رہی تھی۔ اس طرح اردن، لبنان اور شام میں بھی گزشتہ ستر سالوں میں اپنی امدادی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہوئے تھے۔ پہلے فلسطینی اتھارٹی اور محمود عباس مختلف حربوں اور ہتھکنڈوں سے اسرائیلی مقاصد پورے کرنے میں اس ایجنسی کو سرگرمیاں روکنے پر مجبور کرتے رہے ہیں۔ تاہم فلسطینی اتھارٹی کے صدارتی ترجمان نے انروا کے خلاف اسرائیلی قانون سازی کے بارے صرف یہ کہا ہے کہ ہم اس کی اجازت نہیں دیں گے۔ سوال یہ ہے کہ اتھارٹی کی کب سے ایسی حیثیت ہوگئی کہ وہ اتھارٹی کی اجازت کی پابند رہی ہو؟

تاہم ایک بیان ترجمان نے ضرور دیا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ ''۔۔۔ہم اس (اسرائیلی) قانون سازی کی مذمت کرتے اور اسے مسترد کرتے ہیں۔ ہم اس کی اجازت نہیں دیں گے۔ اسرائیلی پارلیمان نے اسے بھاری اکثریت (92-10) سے منظور کیا ہے۔ یہ مغربی کنارے اور غزہ کے 30 لاکھ فلسطینیوں کو انروا اسے ملنے والی سہولتوں سے روکنے کا اقدام ہے۔ رام اللہ میں اتھارٹی کے ترجمان نبیل ابورودینے نے یہ بیان جاری کیا۔ لیکن اتھارٹی صدر ابو ماذن محمود عباس نے خود مذمت کرنا پسند نہیں کیا۔ اس کا مطلب ہے کہ اسرائیل کے لیے ستّے ای خیراں۔۔۔''

عمان سے رپورٹ کرتے ہوئے الجزیرہ کے نمائندے نور اودھے نے بھی کہا ہے کہ یہ دراصل 30 لاکھ انسانوں کو انروا سے ملنے والی سرگرمیوں اور امداد سے روکنے کا اقدام ہے۔ انروا صحت، تعلیم اور پیشہ ورانہ تربیت فراہم کر رہی تھی۔ اس کے فلسطینی علاقوں میں کارکنوں کی تعداد 13000 ہے۔

انروا پر اسرائیل نے الزام لگایا تھا کہ اس کے ہزاروں کارکنوں میں سے چند اہل کار یا کارکن ایسے تھے جو 7 اکتوبر 2023ء کو آپریشن طوفان الاقصیٰ میں حماس کے حملوں میں شریک تھے۔ پھر کہا گیا کہ اس کے

سینکڑوں افراد کے حماس سے قریبی رابطے تھے۔ پھر کہا گیا کہ انروا کی سہولتوں کے قریب حماس اپنے اثاثے جمع کرتی رہی ہے۔

انروا نے جواب میں واضح کیا کہ اس کے کارکن جانتے بوجھتے حماس کی کسی بھی سرگرمی کا حصہ نہیں رہے۔ انروا نے کسی بھی ایسے اہل کار کو اپنی ٹیم کا حصہ نہیں بنایا جس کے بارے میں ہلکا سا شائبہ بھی ہوا کہ حماس یا کسی اور جنگ جو

گروہ کا ساتھ دے رہا ہے یا ساتھ رہا تھا۔

انروا کے خلاف قانون سازی میں کسی بھی متبادل ادارے کو کام کرنے کی اجازت دینے سے انکار کردیا گیا۔ بین الاقوامی اداروں نے اس اقدام کی سختی سے مذمت کی ہے۔ ان اداروں نے کہا ہے کہ اس اقدام پہ کہا گیا ہے کہ کسی بھی ادارے، علاقائی یا بین الاقوامی، کو امدادی سرگرمیوں کے لیے اسرائیل آنے کی ہرگز اجازت نہیں دی جائے گی۔

امریکہ نے اس قانون سازی پر روائتی تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ اسرائیل کے اقدام پر تشویش ہے۔ ہم نے اسرائیلی حکومت پر واضح کردیا تھا کہ ہمیں گہری تشویش ہے۔ سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے ترجمان میتھیو ملر نے صحافیوں کو بتایا کہ یہ معاملہ ''نازک'' ہے اور ایجنسی اپنی امدادی سرگرمیوں سے بہت نازک کام کررہی ہے۔

یورپی یونین کے فارن پالیسی چیف جوزف بوریل نے کہا کہ اس قانون سے غزہ اور دیگر علاقوں میں انروا کی سرگرمیاں عملی طور پر رک جائیں گی۔ اس طرح انسانیت کے بنیادی اصولوں کی نفی ہوگی۔ چیف نے نہایت سادگی سے صرف صورت حال بیان کرنے تک ہی اکتفا کیا۔ سوشل میڈ یا ایکس (X) پر انہوں نے لکھا کہ اسرائیل کا یہ قانون بین الاقوامی قانون کے برعکس ہے۔۔۔اور بس!

اس قانون سازی سے پہلے آسٹریلیا، کینیڈا، فرانس، جرمنی، جاپان، جنوبی کوریا، برطانیہ نے اپنی تشویش کا اظہار ان الفاظ میں کیا تھا۔۔۔''یہ ناگزیر ہے کہ انروا اور دیگر ریلیف ایجنسیاں اور اقوام متحدہ کے ادارے ہر طرح سے امدادی سرگرمیاں جاری رکھ سکیں۔ جنہیں اس مدد کی ضرورت ہے، ان تک یہ سہولتیں پہنچائی جاتی رہیں۔ ان اداروں اور تنظیموں کو اپنے مینڈیٹ کے مطابق ہر کام کرنے کی اجازت ہونی چاہیے۔

انروا سمیت متعدد امدادی و ریلیف ایجنسیوں نے کہا ہے کہ اسرائیل غزہ میں امدادی سرگرمیوں میں رکاوٹ ڈال رہا ہے۔ یہاں 24 لاکھ سے زیادہ فلسطینی موت وحیات کی کش مکش میں ہیں۔ وہ اپنے گھروں سے بے دخل کیے گئے ہیں۔ ان کے مکانات، کاروبار اور بنیادی سہولتوں کے مراکز باقاعدہ منصوبے کے ذریعے تباہ کیے گئے ہیں۔ شہید و زخمی ہونے والوں کی تعداد ہر دن بڑھ رہی ہے۔ قابض فوج نے تمام سرحدوں کو بند کر رکھا ہے۔ رفاہ کی بندش میں صہیونی ریاست کو مصر کی بھی مدد حاصل ہے۔ شمالی غزہ میں رہائش پذیر 8 لاکھ سے زیادہ فلسطینی سخت محاصرے میں ہیں۔ مکمل ناکہ بندی کی وجہ سے اس خطے کے تمام ہسپتال کسی بھی نوعیت کی خدمات فراہم نہیں کرسکتے۔ انروا کے کارکنوں کو اسرائیل مسلسل نشانہ بنا رہا ہے۔ غزہ میں امداد کی بندش کا فیصلہ نیتن یاہو کی واشنگٹن یاترا میں ہوا۔ اب تک کی رپورٹوں سے یہ بات اب ثابت ہوچکی ہے کہ ہر طرح کی امداد کی بندش، انروا پر پابندی سمیت بہت سے فیصلے جو بائیڈن، انٹونی بلنکن اور نیتن یاہو کے اجلاس میں کیے گئے۔

یہ صورت حال اقوام متحدہ کو بالکل صفر کرنے کی کوشش ہے۔ اس پر اہل دانش کو غور کرنا ہوگا۔ اسرائیل کسی بھی بین الاقوامی یا علاقائی ادارے کو کام کرنے کی اجازت نہیں دے گا۔

☆☆☆

تجزیہ: ابوالعین

انروا: اسرائیل کے الزامات کی حقیقت کیا ہے؟

اسرائیل کا انروا (UNRWA) کے خلاف اقدام اس اعتبار سے محل نظر ہے کہ کسی ٹھوس بنیاد یا غیر جانب دار مبصر کی رائے بناء ایک بڑا فیصلہ کر دیا گیا۔ اس طرح اقوام متحدہ جیسے بڑے ادارے کو براہ راست پیغام دیا گیا ہے کہ ہم، جنہیں اس ادارے کی عالمی عدالت نے جنگی مجرم قرار دیا تھا، اس ادارے کو ہی نہیں مانتے۔

یہ بہت ضروری ہے کہ دیکھا جائے کہ انروا پر کیا الزامات عائد کیے گئے ہیں؟ ان الزامات کی حقیقت کیا ہے؟ یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ انروا کو اپنی سرگرمیاں سمیٹنے اور اپنی بساط لپیٹ دینے کے ایسے احکامات کیوں دیے گئے ہیں، جن احکامات کا مینڈیٹ بھی اسرائیل کو حاصل نہیں ہے۔ وہ اس لیے یہ سب کر رہا ہے کہ بڑی قوتیں اپنے چھوٹے پن کا مظاہرہ کرنے پر تلی ہوئی ہیں۔ یہ اقدام 6 لاکھ 50 ہزار طلبہ و طالبات کو تعلیم کے محدود مواقع سے بھی محروم کر دے گا۔ بچوں کی پوری نسل کو تعلیم سے بے بہرہ کر دے گا۔ اس طرح صرف تعلیم میں فلسطین کی نسل کو اجتماعی سزا دی جائے گی جس کا آغاز کب سے کر دیا گیا ہے۔

ایک اور بات سمجھنے کی ضرورت ہے کہ لاکھوں فلسطینیوں کو اس بنیاد پر پناہ گزین کا درجہ حاصل ہے۔ اس اقدام سے ان کے اس درجے کو ختم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کا ایک نشانہ تو یہ ہے کہ اب تک ہر فلسطینی کو اقوام متحدہ کی قرار دادوں کے تحت اپنے گھروں کو واپسی کا ناقابل تنسیخ حق حاصل ہے۔ انروا کو نکالنے کا مقصد یہ ہے کہ فلسطینیوں کا حق واپسی ختم کر دیا ہے۔ یہ حق اب اقوام متحدہ بھی ختم نہیں کر سکتا۔ اسرائیل انروا پر پابندی سے سمجھتا ہے کہ اب کوئی پناہ گزین نہیں ہے۔ اگر ایسا ہی ہے تو پھر انروا کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔

فلسطینیوں کو آج بھی حق واپسی حاصل ہے۔ انروا کے بارے میں بہت مدت سے غلط معلومات اسرائیل اور اس کے اتحادی دیتے آئے ہیں۔ اس کے سٹاف اور امدادی آپریشنز کے بارے میں بھی غلط فہمیاں پھیلائی جاتی ہیں۔ 7 اکتوبر 2023ء کے آپریشن طوفان الاقصیٰ سمیت انروا کو ڈس انفارمیشن سے بدنام کرنے کی جنگی مہم چلائی جا رہی ہے۔ غزہ کے تمام ادارے اس بات پر مکمل یقین رکھتے ہیں کہ انروا اور طوفان الاقصیٰ میں کسی سطح یا کسی نوعیت کا کوئی رابطہ، اشتراک یا تعاون موجود ہی نہیں ہے۔

ایک دستاویز میں ان امور پر سیر حاصل تبصرہ کیا گیا ہے کہ اسرائیل کی ڈس اور مس انفارمیشن کیا ہے اور یہ کس طرح حقائق کو مسخ کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ اسرائیل کی طرف سے جو دعوے کیے جاتے ہیں، ان کا مسکت جواب دیا گیا ہے۔ یہ دعوے اور ان کا

جواب یہاں پیش کیے جا رہے ہیں۔

پس منظر:

اسی سال 17 جنوری کو انروا کے کمشنر جنرل نے اعلان کیا کہ وہ آزادانہ ریویو کا کمیشن قائم کرنا چاہتے ہیں جو یہ دیکھے کہ انروا کے میکانزم اور طریقہ کار میں کس قدر غیر جانب داری برقرار رکھی جاتی ہے۔ اس کی سربراہی کیتھرائن کولونا کو دی گئی۔ کیتھرائن فرانس کی سابق وزیر خارجہ ہیں۔ ان کے ذمے کام یہ لگایا گیا کہ آیا انروا اپنے جملہ وسائل کے ساتھ غزہ میں ایجنسی کے طور پر غیر جانب داری سے کام کر رہی ہے یا نہیں۔ ان کے ذمہ یہ کام بھی تھا کہ وہ بتائیں کہ جس نوعیت کے الزامات لگائے جا رہے ہیں، ان کا جواب دیا جائے۔

اسرائیلی حکام نے جو الزامات زبانی کلامی لگائے تھے، 26 جنوری کو ان کا جواب یوں دیا گیا کہ 7 اکتوبر کے آپریشن الاقصیٰ کے آغاز میں انروا کے 12 کارکن بھی ملوث پائے گئے۔ یہ کارکن انروا کے ہی تھے۔ یہ انروا کی پالیسی کے تحت اس کام میں شامل نہیں تھے۔ اسی لیے انروا کے کمشنر جنرل نے فوری اقدام کرتے ہوئے ان بارہ ارکان کو ملازمت سے برطرف کر دیا۔ اس اقدام کا باضابطہ اعلان انروا کے ایک بیان میں کیا گیا۔

اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل نے اپیل کی کہ ان کی ایک ایجنسی او آئی او ایس یعنی آفس آف دی اوورسائٹ سروسز تحقیقات کرے۔ ان متعین الزامات کی تحقیقات کرے۔ سیکرٹری جنرل نے اس بارے میں چار ہفتوں میں رپورٹ طلب کر لی۔ اس رپورٹ کو عبوری قرار دیا گیا۔

27 جنوری کو انروا کے کمشنر جنرل نے ایک بیان جاری کیا۔ یہ بیان اقوام متحدہ کو امداد فراہم کرنے والے ممالک کے مطالبہ پر جاری کیا اور انہوں نے بتایا کہ عارضی طور پر انروا کے فنڈز روک دیے گئے ہیں۔ ان میں وقفہ ڈال دیا گیا ہے اور آخر کار عارضی طور پر منجمد کر دیے گئے ہیں۔

اب ہم اسرائیل اور اس کے اتحادیوں کی جانب سے کیے گئے دعوؤں اور ان کے جوابات یہاں من و عن پیش کریں گے۔

پہلا دعویٰ:

مبینہ الزامات کے بارے میں خفیہ رپورٹوں اور میڈیا کے بہت سے ذرائع نے یہ دعوے کیے ہیں کہ انروا کے سٹاف کا تقریباً 10 فیصد غزہ میں حماس یا اسلامی جہاد کے لیے کام کرتا رہا ہے۔ اس سٹاف کی تعداد 1200 کے قریب بنتی ہے۔

حقیقت:

انروا کو ایسی کوئی معلومات فراہم نہیں کی گئیں، کوئی شہادت تو دور کی بات ہے۔ ایسی معلومات اسرائیل یا اقوام متحدہ کے رکن کسی بھی دوسرے ملک نے کبھی فراہم نہیں کیں۔

انروا ہر سال باقاعدگی سے اپنے اہل کاروں کی مکمل معلومات لبنان، اردن، شام اور فلسطینی حکام کو ان کی تصاویر سمیت فراہم کرتی ہے۔ مغربی کنارے مقبوضہ مشرقی بیت المقدس اور غزہ بھی اس فہرست کا حصہ ہوتے ہیں۔ یہ معلومات اسرائیل کو بھی فراہم کی جاتی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام متعلقہ ممالک اور اسرائیل انروا کے سٹاف سے مکمل واقف ہوتے ہیں۔ اگر کوئی اور ملک یہ معلومات حاصل کرنا چاہے تو اسے بھی اس کی درخواست پر فراہم کی جاتی ہیں۔

اس کا سیدھا سا مطلب یہ ہے کہ جن 12 افراد پر الزام لگایا گیا، تمام فریق ان کے بارے میں مکمل طور پر آگاہ رہتے تھے۔ انروا کو ان کے کسی نوعیت کی سرگرمیوں کے قابل اعتراض ہونے کی کبھی بھی شکایت بھی وصول نہیں ہوئی۔

دوسرا دعویٰ:

اسرائیلی حکام نے کہا کہ انروا کا مسئلہ صرف یہ نہیں ہے کہ اس کے چند سیب خراب ہیں اور وہ گزشتہ سال کے آپریشن میں شریک تھے۔ یہ ادارہ مجموعی طور پر حماس کی انقلابی حکمت عملی میں شامل رہا ہے۔

حقیقت:

اس خطے میں انروا کے سٹاف کی کل تعداد 30 ہزار سے زیادہ ہے۔ اس کے غزہ میں ارکان کی تعداد 13 ہزار ہے۔ یہ سب اقوام متحدہ کی اقدار اور انسانی ہمدردی کے جذبات سے سرشار ہیں۔

2022ء سے اب تک ان سٹاف ارکان پر 66 مختلف قسم کے الزامات لگائے گئے ہیں۔ یہ الزامات محض غزہ سٹاف پر نہیں لگائے گئے۔ ان میں سے بہت سے ایسے الزامات تھے کہ انروا اپنی غیر جانب داری برقرار نہیں رکھ سکا۔ وہ حماس اور دوسرے گروہوں کی مدد کرتا ہے۔ ان میں سے بعض الزامات اب بھی لگائے جا رہے ہیں۔ 30 ہزار کے سٹاف کے خلاف شکایتوں کی تعداد محض 66 ہے۔ یہ 66 الزامات ثابت نہیں ہو سکے اور نہ ہی ان کے لگانے والوں نے ان پر کوئی سٹینڈ لیا ہے۔ اس کے باوجود کہہ دیا گیا کہ انروا بہ حیثیت ادارہ ہی مسئلہ ہے۔

سٹاف کے ارکان کو یاد دہانی کے خطوط موصول ہوتے ہیں۔ ان سے کہا جاتا ہے کہ سٹاف ٹریننگ کے لیے شیڈول کی پابندی کریں، اقوام متحدہ کے طے شدہ معیارات پر پورا اتریں۔ بین الاقوامی سول سروس کے اصولوں کی پابندی کریں۔ وہ اپنے کام سے ان امور کا ثبوت پیش کریں۔ اپنے طور پر اپنی غیر جانب داری اور آزادی کا اعلان بھی کرنے سے گریز کریں تاکہ جس درجے کی غیر جانب داری اقوام متحدہ کے پلیٹ فارم سے سامنے آنی چاہیے، اس پر کوئی حرف نہ آئے۔

تیسرا دعویٰ:

بہت سے میڈیا افراد نے یہ بات کہی ہے کہ غزہ میں حماس کی غیر اعلان شدہ قیادت انروا کے ارکان اور وہ ان سے رابطہ میں ہیں۔ یہ روابط 2007ء سے جاری ہیں۔

حقیقت:

جس طرح دنیا میں کسی بھی جگہ اقوام متحدہ پیچیدہ صورت حال میں کام کرتی ہے۔ اسی طرح ان علاقوں میں بھی کام کر رہی ہے۔ جہاں کوئی باقاعدہ حکومت نہیں ہوتی یا مسلح گروہوں کا کنٹرول ہوتا ہے۔ اقوام متحدہ تمام فریقوں سے رابطہ کرتی ہے تاکہ انسانی بنیادوں پر متاثرہ لوگوں کی مدد کی جائے۔ یہی معیار ہے۔ غزہ میں انروا کے رابطے بھی ماحول میں موجود افراد اور بااثر طبقات کے راہ نماؤں سے رہتے ہیں۔ یہ رابطے صرف امدادی کاموں کے لیے ہوتے ہیں۔ ان سے امدادی سرگرمیوں کے لیے مدد لی جاتی ہے۔ اپنے سٹاف ارکان کی سلامتی میں بھی ان سے مدد لی جاتی ہے۔

غزہ میں انروا تصادم کے ماحول میں کام کر رہی ہے۔ اس کی سرگرمیوں کو مربوط کرنے کے لیے تمام متعلقہ فریقوں سے رابطہ کیا جاتا ہے۔ اس لیے ایجنسی کا مستقل رابطہ اسرائیلی قابض حکام سے بھی رہتا ہے اور حماس یا اسلامی جہاد سے بھی ہوتا ہے۔

چوتھا دعویٰ:

حماس انروا سے ساری امداد لے جاتی ہے۔

حقیقت:

انروا کے علم میں ایسا کوئی معاملہ نہیں ہے۔ اس سلسلے میں

کسی نوعیت کے متعین الزامات بھی کبھی لگائے نہیں گئے۔ حماس یا کسی اور گروہ نے کبھی بھی ایسی کوشش نہیں کی کہ وہ امداد کو کسی منظم طریقے سے اپنے کنٹرول میں لے لے۔ انروا کے نوٹس میں جب بھی ایسی بات لائی جائے گی، اس پر اقدام کیا جائے گا۔

انروا ایسی صورت حال کے ابھرنے کی مذمت کرتی ہے۔ امدادی سامان کا راستہ سے اچک لے جانا شدید بے ضابطگی ہے۔ انروا ایسے حالات میں امداد دینے والے ممالک اور اداروں کو اس سے آگاہ کرتی ہے تاکہ آئندہ زیادہ مؤثر انتظامات کیے جاسکیں۔

دنیا بھر میں تصادم اور جنگ زدہ علاقے موجود ہیں۔ اقوام متحدہ کے کارکن ان مشکلات کے ماحول میں کام کرتے ہیں۔ انہی میں ایسے علاقے بھی ہیں جہاں کسی کی حکومت کے بجائے مسلح گروہوں کی بے قاعدہ حکومت کام کرتی ہے۔ یہ کارکن ان سب سے بلاتفریق یا امتیاز رابطے میں رہتے ہیں۔ ان کارکنوں کو ایسے ماحول میں کام کا وسیع اور گہرا تجربہ ہے۔ اس سلسلے میں انسانی امداد اور سرگرمیوں کے اصولوں کو مدنظر رکھا جاتا ہے۔

انروا امداد کی تقسیم اور ترسیل کے لیے جن راہنما اصولوں کو سامنے رکھتی ہے۔ ذیل میں ان میں سے نمایاں اصول دیے جارہے ہیں:

انروا امداد کے لیے براہ راست نفاذ کا اصول اختیا کرتی ہے۔ درمیان میں کسی رابطے یا فرد کو آنے نہیں دیا جاتا۔ اس سے یہ مراد ہے کہ انروا کو سپلائی چین پر مکمل کنٹرول ہوتا ہے۔ یہ کنٹرول امدادی اشیاء کی وصولی سے شروع ہو جاتا ہے۔ غزہ کے تمام کراسنگ مقامات پر یہ سرگرمی ہوتی ہے۔ سامان پہلے انروا کے ویئر ہاؤسز میں یا پہلے سے طے شدہ مقام تک لایا جاتا ہے۔ پھر سامان کو ایک ترتیب سے ترسیل و تقسیم کے لیے لے جایا جاتا ہے۔ یہ امداد رجسٹرڈ متاثرین کو فراہم کی جاتی ہے۔

جب بھی کسی نوعیت کی امداد غزہ کے اندر ایک مقام سے دوسرے مقام پہنچائی جاتی ہے، خواہ وہ ایندھن ہو، غذا او پانی یا ادویات ہوں، اس بارے میں متعلقہ فریقوں کو اطلاع دی جاتی ہے، امداد کی نوعیت، مقدار اور تعداد کی ہر تفصیل دی جاتی ہے۔ فریقوں سے درخواست کی جاتی ہے کہ امداد کی نقل وحمل کے راستوں پر تصادم سے گریز کیا جائے، امدادی کارکنوں کے تحفظ کا خیال رکھا جائے۔ اقوام متحدہ کے سلامتی کے اہل کار قافلے کے ساتھ رہتے ہیں اور اس کی نگرانی کرتے ہیں۔ انروا اس کے لیے اقوام متحدہ کے ساتھ دوسرے اداروں سے بھی تعاون کرتی اور لیتی ہے۔ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ امداد ذخیرہ کرنے سے لے کر تقسیم و ترسیل کے مراحل میں باقاعدہ دستاویزی صورت میں ایک مقام سے دوسرے مقام تک لے جائی جاتی ہے۔

اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے ایک فہرست تیار کی ہے جسے بار بار اپ ڈیٹ کیا جاتا ہے۔ کسی بھی مقام پر امداد کی ترسیل کے لیے اس فہرست میں دیے ناموں سے ہی بات کی جاتی ہے۔ کسی اور فرد، تنظیم، ادارہ یا گروہ سے کوئی بات نہیں کی جاتی۔ انروا اس اصول کی غزہ میں مکمل پابندی کرتی ہے۔

لبنان، اردن، شام، مغربی کنارے، مقبوضہ مشرقی بیت المقدس اور غزہ انروا میں کام کر رہی ہے۔ متعلقہ حکام کے پاس اس کے ہر رکن کی تصویر سمیت تمام تفصیلات موجود ہوتی ہیں۔

پانچواں دعویٰ:

حماس نے انروا کے سکولوں میں اپنے اسلحہ کے ذخیرہ کے مراکز بنائے ہوئے ہیں۔ حماس انروا کی عمارتوں کے نیچے سرنگیں بناتی رہتی ہے۔ ایجنسی نے حماس کی ان سرگرمیوں سے روکنے کے لیے کچھ نہیں کیا۔

حقیقت:

یہ 20000ء کی بات ہے جب غزہ میں تصادم ہوا تھا۔ اس وقت دونوں فریقوں نے انروا کی غیر جانب داری کو یک طرفہ طور پر متاثر کیا تھا۔ انہیں اب بین الاقوامی قانون کے تحت تحفظ حاصل ہے۔ پہلے ان عمارات میں داخل ہوتے تھے اور ان کا استعمال کرتے تھے۔ اس بارے میں غزہ کے حکام سے احتجاج کیا گیا۔ اس بات کی مذمت کی گئی کہ اسلحہ یا ان کے حصے ذخیرہ کرنے سے اصول پامال ہوتے ہیں۔ اس بارے میں فلسطینی اتھارٹی کے حکام کو تب مطلع کیا گیا تھا۔ اسرائیل کو بھی اطلاع دی گئی تھی۔

ایسے واقعات کی رپورٹ انروا کے کمشنر جنرل نے باقاعدگی سے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں پیش کی۔ اگر کوئی بھی واقعات پیش آئے، ان کا ذکر رپورٹ میں کیا گیا۔ یہ رپورٹ بھی تمام فریقوں کو ہر سال پیش کی جاتی رہی۔

جب بھی انروا کے مراکز کے نیچے کسی سرنگ کا علم ہوا، ایجنسی نے مختصر سا پروٹوکول استعمال کیا۔ ان سرنگوں کے داخلی و خارجی راستے سیمنٹ کردیے گئے۔ فوری طور پر فلسطینی اتھارٹی اور اسرائیل کو بتایا گیا۔

چھٹا دعویٰ:

انروا سکولوں میں فلسطینی اتھارٹی کی منظور کردہ نصابی کتب پڑھائی جاتی ہیں۔ ان میں ایسا مواد پڑھایا جاتا ہے جس سے دہشت گردوں کو ہیرو کے طور پر پیش کیا جاتا ہے اور اسرائیل سے نفرت کا سبق دیا جاتا ہے۔

حقیقت:

انروا ہمیشہ وہ نصابی کتب استعمال کرتی ہے جو متعلقہ حکومت فراہم یا منظور کرتی ہے۔ یہ اصول اقوام متحدہ کے طے کردہ اصول کے عین مطابق ہے۔ ان تمام کتب کا جائزہ لیا جاتا ہے اور دیکھا جاتا ہے کہ کیا ان کا کوئی حصہ اقوام متحدہ کی طے شدہ اقدار سے متصادم ہے یا نہیں۔ نفرت کی بنیاد پر تقریر کو بھی روک دیا جاتا ہے۔ کسی قسم کا امتیاز، اشتعال، نفرت یا تشدد کا کوئی سبق نہیں پڑھایا جاتا۔

انروا نصاب کو بہتر بنانے کے لیے انسانی حقوق کے ابواب اس میں شامل کرتی ہے۔ میٹرک کرنے کے لیے طلبہ و طالبات کو متعلقہ ملک کا نصاب پڑھنا پڑتا ہے۔

ساتواں دعویٰ:

2019ء میں امریکی حکومت کے Accountability Office نے رپورٹ دی تھی کہ انروا اپنے سکولوں میں پڑھائے جانے والے مواد میں کئی دفعہ اقوام متحدہ کے اصولوں کی نفی کرتی ہے۔

حقیقت:

اسی رپورٹ میں یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ انروا نے اقوام متحدہ کے اصولوں کی مکمل پاس داری کی ہے۔ جہاں کہیں بھی بہتری کے لیے کہا گیا، اس پر عمل کیا گیا ہے۔

انروا نصابی کتب پر باقاعدگی اور عرق ریزی سے نظر ثانی کرتی ہے اور تعلیمی سرگرمیوں کو شان دار تربیت کے مواقع میں تبدیل کرتی ہے۔ اقوام متحدہ کے طے کردہ اصولوں اور دائرہ کار پر عمل کیا جاتا ہے۔ اس بارے میں کبھی کوئی شکایت بھی کسی فریق بہ شمول اسرائیل کبھی موصول نہیں ہوئی۔ اس سلسلے میں اقوام متحدہ کے علاوہ یونیسکو کے طے

کردہ معیارات پر بھی عمل کیا جاتا ہے۔

آٹھواں دعویٰ:

انروا کوشش کرتی ہے کہ وہ پناہ گزینوں کے وسائل میں اضافہ کرے۔ وہ فلسطینی مہاجرین اور پناہ لینے والوں کو ان کی تاریخ یاد دلاتی ہے اور انہیں کہتی ہے کہ تمہارا اصل گھر تو اسرائیل ہے۔

حقیقت:

اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ایک قرارداد کے ذریعے انروا قائم کی گئی۔ یہ 1949ء کا واقعہ ہے۔ انروا کا مینڈیٹ یہ نہیں ہے کہ وہ اسرائیل اور فلسطین کے تنازعہ کو حل کرائے۔ پناہ گزینوں کا مسئلہ بھی اس کا پیدا کردہ نہیں ہے۔ انروا کا قیام ایک عارضی ادارے کے طور پر ہوا تھا۔ اس کے ذمہ ریلیف اور ورک تھا۔ 1952ء میں اقوام متحدہ نے انروا کو ایک اور ٹاسک دے دیا۔ وہ یہ تھا کہ ''کسی بھی ایسے فرد کو ریلیف دیا جائے جس کی اصلی رہائش فلسطین تھی اور وہ یکم جون 1946ء سے 15 مئی 1948ء کے درمیان عرصے میں وہاں رہ رہا تھا، پھر نکبہ کی وجہ سے اسے گھر اور کاروبار چھوڑنا پڑے، بنیادی پرائمری تعلیم سے ان کے بچوں کو محروم کر دیا گیا، صحت عامہ کی سہولتیں چھن گئیں، اسے ہر ریلیف اور سوشل سروس کے حصول سے روک دیا گیا حتیٰ کہ وہ چھوٹے قرضوں اور ہنگامی امداد سے بھی محروم ہو گیا۔''

سچ تو یہ ہے کہ گزشتہ 75 سالوں سے انروا یہ سارے کام کر رہی ہے۔ یہ کام وہ اپنی مرضی سے نہیں کر رہی، اسے اس کام پر لگایا گیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ یہاں کی حکومتیں اتنا عرصہ گزرنے کے باوجود فلسطین کا تنازعہ حل نہیں کر سکیں۔ پناہ گزینوں کی اتنی بڑی تعداد کی وجہ بھی یہی حالات ہیں ان کی نسلوں کی بھی نسلیں ان حالات میں رہنے پر مجبور ہیں۔

فلسطینی پناہ گزینوں کو دنیا میں کہیں اور پناہ گزینوں سے مختلف اور الگ سہولتیں میسر نہیں ہیں۔ انہیں بالآخر اپنے گھروں کو لوٹنا ہے، یہی سچ ہے۔ یہ سچ انہیں پڑھانے یا بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔

دنیا کے ہر پناہ گزین کی طرح ہر فلسطینی کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ اس کا گھر فلسطین نہیں (نام نہاد) اسرائیل ہے۔ ان سے یہ حق کوئی نہیں لے سکتا۔ انہیں بہر حال واپس اپنے گھر جانا ہے۔

نواں دعویٰ:

اقوام متحدہ کی دیگر ایجنسیاں دنیا بھر کے تصادم اور بحران کے علاقوں میں انسانی بنیادوں پر بہتر خدمات سرانجام دے رہی ہیں۔ انروا کی ضرورت نہیں ہے۔

حقیقت:

انروا براہ راست عام آدمی کے لیے سکولوں، صحت کے مراکز، معاشرتی تحفظ جیسی خدمات بہم پہنچا رہی ہے۔ وہ پانچ طرح کے کام کر رہی ہے۔ اس کے سٹاف کی تعداد 30 ہزار سے زیادہ ہے۔ ان میں سے بڑی تعداد فلسطینی پناہ گزینوں کی ہے۔ اس طرح وہ اپنے ہی لوگوں کے لیے کام کر رہے ہیں۔ انروا کا اب ایک مستحکم ڈھانچہ موجود ہے۔ اس کی لاگت بھی کم اٹھتی ہے۔ اس کی تنخواہیں مقامی

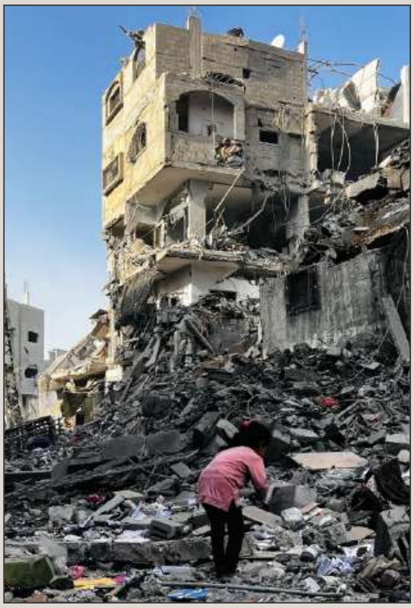

ذرائع سے پوری کرنا آسان ہوتا ہے۔ اس کا مساوی یا متبادل اقوام متحدہ کا کوئی دوسرا ادارہ نہیں ہے۔ اس سے یہ بھی مراد ہے کہ انروا کے سٹاف ارکان کے معاوضے اقوام متحدہ کے دیگر اداروں کے ارکان کے معاوضوں سے 40 سے 70 فیصد کم ہیں۔

مزید برآں، انروا ہنگامی ضروریات میں فوری ردعمل دیتی ہے۔ آج کے غزہ کی مثال ہی لے لیجیے۔ وہ اپنے سٹاف کے آبادی کو جاننے اور بروقت اقدام کرنے میں اپنے علم اور تجربے کی وجہ سے بہت مفید ثابت ہوتے ہیں۔ غزہ میں 20 لاکھ سے زیادہ لوگ فوری امداد کے ہر وقت کسی بھی جگہ منتظر رہتے ہیں۔ ایجنسی نہایت سرعت سے موقع کی مناسبت سے کام کرتی ہے۔ غزہ میں اس کے ارکان 13 ہزار سے زیادہ اور 300 کے قریب تنصیبات ہیں۔ اس طرح وہ کسی بھی دوسری ایجنسی سے زیادہ وسائل اور صلاحیت رکھتی ہے۔ اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کہہ چکے ہیں کہ امدادی سرگرمیوں میں انروا کی مثال پورے نظام میں ریڑھ کی ہڈی سی ہے۔

اگر صرف بیماریوں سے بچاؤ کی ویکسین دینا ہو تو صرف انروا کے پاس صلاحیت ہے کہ وہ غزہ کے بچوں کو یہ سہولت فراہم کر سکے۔ کسی اور کے پاس کلینکس ہی نہیں ہیں۔ انروا تعلیم کے شعبہ میں نمایاں ترین کام کر رہی ہے۔ اس کے 709 سکولوں میں 543,000 بچے اور بچیاں زیر تعلیم ہیں۔ انروا کا متبادل لانا کوئی معمولی کام نہیں ہے۔ اس بات کا پورا امکان موجود ہے کہ انروا کے ارکان کا بہت بڑا حصہ جنگ کے خاتمے پر نئے نظام میں ضم ہو جائے گا۔

دسواں دعویٰ:

یہ یو این ایچ سی آر کا کام ہے کہ وہ پناہ گزینوں کی دیکھ بھال اور واپسی کا کام کرے۔ انروا کو یہ کام کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

حقیقت:

اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے 1949ء میں انروا کو قائم کیا تھا۔ اس کے برعکس یو این ایچ سی آر کو ایک سال بعد 1950ء میں قائم کیا گیا۔ دونوں دائرہ کار اور مینڈیٹ الگ الگ طے کیے گئے۔ ان فیصلوں کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے قراردادوں کے ذریعے قانونی حیثیت دی تھی۔

انروا اور یو این ایچ سی آر کے کاموں کی نوعیت بہت مختلف ہے۔ انروا براہ راست خدمات بہم پہنچاتی ہے۔ ان خدمات میں سے بڑا حصہ تعلیم اور صحت کا ہے۔ اس کی خدمات عام آدمی کے لیے ہیں۔ یو این ایچ سی آر کو فلسطینی مہاجرین میں کام کرنے کا مینڈیٹ ہی حاصل نہیں ہے۔ وہ ان علاقوں میں کام کی صلاحیت ہی نہیں رکھتی جن میں انروا بخوبی سارے کام کر رہی ہے۔ تاہم بعض علاقوں میں یو این ایچ سی آر کو فلسطینی پناہ گزینوں کے لیے کام کا کہا گیا ہے۔

انروا کی یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ فلسطینی پناہ گزینوں کو ان کے گھروں میں آباد کرے۔ یہ کام یو این ایچ سی آر کا ہے۔ اس مسئلے کا پائیدار اور مستقل حل تلاش کیے جانے تک یہ کام نہیں کیا جا سکتا۔ انروا تو صرف سہولتیں فراہم کر رہی ہے۔

پیرس کا سٹیڈیم نعروں سے گونج اٹھا فلسطین آزاد کرو، فلسطین آزاد کرو

براہِ راست رپورٹ

غزہ میں جاری فلسطینی نسل کشی اور نسلی صفائی نے اب مکمل انسانی تباہی کی صورت اختیار کرلی ہے۔ شمال وجنوب اور مشرق ومغرب میں منظم قتل عام کے واقعات صبح وشام کا معمول بن گئے ہیں۔ شمالی غزہ خالی کرانے کے اپنے غاصبانہ احکامات پر عمل درآمد کے لیے صہیونیت نے منظم قتل عام کے سفاک مناظر تشکیل دینا شروع کردیے ہیں۔ ان مناظر میں انسانی جسموں کے دردناک اور الم انگیز مناظر اب انسانیت کو خود ہی شرمارہے ہیں۔ امریکہ، برطانیہ، فرانس، اٹلی، جرمنی، جاپان اور پورے یورپ کے مہذب چہرے خود ان ممالک کے معاشروں نے دیکھے ہیں۔ پہلے ان کی درس گاہوں، یونیورسٹیوں سے صدائیں بلند ہوئیں، پھر لندن و نیویارک، پیرس وٹورنٹو، ایمسٹرڈیم اور آک لینڈ کی شاہراہیں احتجاج کرنے والوں سے بھر گئیں۔ اب ایک نیا عامل سامنے آیا ہے۔ اب ان کے سٹیڈیم ایسے میں فری فلسطین اور لبنان میں جنگ مسلط نہ کرو کے مطالبوں سے بھرنے لگے ہیں جب وہاں کوئی فلسطینی یا لبنانی نہیں ہوتا۔ لوگ فلسطین کا کفائیہ اوڑھتے ہیں، پرچم اور بینرز خود ہی تیار کرتے اور لہراتے ہیں۔ دنیا میں احتجاج ابل رہا ہے ایک نہیں اُبل رہا تو مسلم حکمرانوں کا لہو اُبل نہیں رہا۔ اب کس کی باری ہے، اب فلسطین اور پھر سب کی باری ہے۔

”فلسطین آزاد کرو“

”جنگ صرف میدان میں“

”دنیا میں امن لاؤ“

یہ وہ نعرے ہیں۔ جو پارک دی پرنسز سٹیڈیم پیرس میں ہزاروں تماشائیوں نے بلند کیے۔ وہ سب یوئیفا چمپینز لیگ میچ میں ایل ٹی کو (Alteco) میڈرڈ کا اسرائیل کے فٹ بال کلب مکابے تل ابیب سے مقابلہ دیکھنے آئے تھے۔ اس میچ کے دوران میں اچانک ایک بہت بڑا بینر لہرادیا گیا۔ بینر پر تصویر کے پس منظر میں واشنگٹن ڈی سی کی تصویر کے آگے فلسطین اور لبنان کے پرچم دائیں اور بائیں لہرا رہے تھے درمیان میں مخصوص فلسطینی کیفیہ اوڑھے نوجوان تھے سارا ن سٹیڈیم خوشی سے پکار اٹھا تھا:

فلسطین آزاد کرو۔۔۔فلسطین آزاد کرو

جنگ میدان میں لڑو۔۔۔دنیا کو امن دو

سٹیڈیم اچانک فلسطینی پرچموں سے مزین کردیا گیا تھا۔ اس منظر کی ویڈیوز مختصر وقت میں ہی سوشل میڈیا پر وائرل ہوگئی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی حمایت اور مخالفت میں سوشل

ویب بھر گئی تھیں۔ پیرس سینٹ جرمن (PSG) کی تعریف کی جارہی تھی۔ لوگ غزہ میں نسل کشی پر سخت برہم بھی تھے اور جنگ فوری بند کرنے کا مطالبہ کر رہے تھے۔ ان کے نعرے فلک شگاف تھے۔ وہ کہہ رہے تھے: یہ جنگ نہیں، معصوموں کا قتل عام ہے۔ یہ انسانی حقوق کے علمبرداروں کے ہاتھوں مختصر سے غزہ میں انسانیت کا قتل عام ہے۔ یہ نسل کشی ہے، یہ نسلی صفائی ہے۔

سوشل میڈیا پر tifo کی حکمرانی تھی۔ لبنان اور فلسطین کے پرچم چہار سو تھے۔ یہ مزاحمت کا مظہر تھا۔ tifo فرانس میں ایسی تصویر میں دکھائے منظر کو کہا جاتا ہے جس میں جذبات کی ترجمانی کی گئی ہو۔ اس tifo میں لوگوں کے، عام انسانوں کے جذبات کی ترجمانی کی گئی۔ میچ سے پہلے اور دوران میں، جبکہ اسرائیلی کلب میکابے کی ٹیم بھی موجود تھی، اسرائیل کی مذمت میں پرچم لہرا رہے تھے۔ فلسطین کے حامی زیادہ پرجوش تھے اور تماشائی ان کی حوصلہ افزائی کر رہے تھے۔

Tifosi دراصل اطالوی لفظ Tifoli-DSi سے ماخوذ ہے۔ اس سے مراد ایسے افراد کا جوش وجذبہ ہے جو کسی میچ کے موقع پر اپنی بے پناہ خوشی اور جذبات سے مغلوب ہو کر اپنی بات کے حق میں صدائیں بلند کر رہے ہوں۔ یہ وہ حامی (Fans) ہوتے ہیں جو شدید ہیجان میں مبتلا ہوں۔

اس مظاہرے کو فلسطین اور لبنان سے یک جہتی کا اظہار کہا گیا۔ سٹیڈیم میں مدمقابل ٹیموں سے وابستگی سے قطع نظر غزہ میں جاری بے حمیتی کے خلاف عوام اپنے غم و غصہ کا اظہار کر رہی تھی۔ اس سے یہ بات بہت کھل کر سامنے آئی کہ اس نسل کشی کے خلاف عوام فلسطین کے حق میں سوچتی ہے اور سیاست دان اور حکمران اپنی مجبور پالیسیوں پر سوچتے ہیں۔ اس بڑے بینر کو اسرائیل کے حامیوں نے حماس کی حمایت اور یہودیت کی مخالفت (Anti-Semitism) قرار دیا۔ یاد رہے کہ یہودیت کے خلاف یا حمایت میں کوئی ایک نعرہ بھی کسی نے بلند نہیں کیا۔

سٹیڈیم میں یہ صورت حال اس لیے سامنے آئی کیوں کہ غزہ میں اسرائیل 45,000 فلسطینی بچوں، عورتوں، جوانوں اور بوڑھوں کو ایک سال سے زیادہ مدت سے شہید کر چکا ہے۔ زخمیوں کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ ہے۔ 20 لاکھ فلسطینی اپنے گھروں کی تباہی کی وجہ سے بے گھر ہونے پر مجبور کر دیئے گئے ہیں۔

یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ اس مظاہرے کا اہتمام فلسطینیوں نے نہیں کیا تھا۔ اس کا انتظام، بینر لگانے کا کام پیرس سینٹ جرمن یعنی PSG کی جانب سے کیا گیا تھا۔ اس طرح یہ فلسطین کے لیے غیر فلسطینی مظاہرہ تھا۔ بینر پر موٹے حروف میں Free Palestine کے الفاظ لکھے گئے تھے۔ جرمن زبان میں لکھا ہوا تھا کہ جنگ میدان میں لڑو اور دنیا کو امن سے رہنے دو۔

اس مظاہرے نے پورے فرانس میں حکومت اور سوشل میڈیا کو ایک دوسرے سامنے لا کھڑا کیا۔ فرانس کے وزیر داخلہ برونو ریٹایو نے اس کی مذمت میں بیان جاری کیا۔ انہوں نے کہا کہ ایسے مظاہرے کی سٹیڈیم میں کوئی جگہ نہیں بنتی۔ اس سے کھیل کی یک جہتی متاثر ہوئی ہے۔

فرانس کے وزیر کھیل گل ایویروز نے اس مظاہرے اور بینر کو مسترد کر دیا۔ انہوں نے بھی کہا کہ اس قسم کے بینر کی سٹیڈیم میں لہرانے کی کوئی منطق نہیں تھی۔ انہوں نے پی ایس جی سے کہا کہ وہ کھیل کے قواعد پامال نہ کرے۔ ایویروز نے ایکس پر لکھا کہ کھیل کے میدانوں کو سیاسی پلیٹ فارم ہرگز بنانا نہیں چاہیے۔ سٹیڈیمز میں غیر جانب داری کا خیال رکھا جانا چاہیے۔ عوام کو تقسیم نہ کیا جائے۔

ان بیانات میں ایک خوف کی ہر موجود ہے۔ کچھ عرصے بعد فرانس کی نیشنل فٹ بال لیگ کا اسرائیل کی فٹ بال ٹیم سے مقابلہ ہونے جا رہا ہے۔ اب یہ خطرہ بڑھ گیا ہے کہ فلسطین کے حامی بڑی تعداد میں پیرس کے سٹیڈیم آئیں گے اور ایک بڑا مظاہرہ خارج از امکان نہیں ہے۔

ایک اور میچ اسرائیل کے میکالے حائفہ کلب اور بلجیئم کی رائل لیگ کے درمیان تھا۔ اس کا مقام اسی خوف کی وجہ سے ہنگری تبدیل کر دیا گیا۔ مزید خوف یہ تھا کہ اسے مکمل بند سٹیڈیم میں رکھا گیا۔ اس نے یوئیفا کے فٹ بال میچوں کے منتظمین پر فلسطینی حمایت میں مظاہروں کا خوف پیدا کر دیا ہے۔

دوسری طرف احتجاج کرنے والوں کا مؤقف ہے کہ مسلسل جاری نسل کشی (Genocide) کے خلاف احتجاج سیاست نہیں ہے۔ یہ بالکل انسانیت ہے۔ آپ اپنے بچوں کے بارے میں سوچیے کہ انہیں کوئی تکلیف ہوتو آپ کس طرح گوارا یا برداشت کر سکیں گے۔ پھر کیوں فلسطینی بچوں کے قتل پر آپ خاموش ہیں؟

پس منظر توبیہ عندلیب

کیا صہیونیت انتہا پسندی کی تکمیل کرنے کو ہے؟

صہیونی عزائم مغربی کنارے پر ''خودمختاری کے نفاذ'' کی بزدلانہ کوششوں میں تیزی لا رہے ہیں۔ صہیونی دائیں بازو کی اسرائیلی حکومت میں انتہا پسند شخصیات کی جانب سے اس خواب کی تکمیل کے لیے کافی عرصے سے تکرار جاری ہے۔ حال ہی میں، انتہا پسند اسرائیلی وزیر بزلیل سموٹریچ نے سال 2025 کو ان مذہبی تصورات کو عملی جامہ پہنانے کا سال قرار دیا ہے۔

دوسری جانب، امریکی صدر ٹرمپ کے وائٹ ہاؤس میں باضابطہ طور پر اپنے اختیارات سنبھالتے ہی، نیتن یاہو اب ان عزائم کو حقیقت بنانے کے لیے ایک ''سنہری موقع'' کے طور پر دیکھ رہے ہیں۔

آنے والے دنوں میں الحاق کے لیے عملی طریقہ کار:

اس تناظر میں، مصنف اور سیاسی تجزیہ کار فرج شلہوب نے کہا ہے کہ نیتن یاہو کی قیادت میں انتہائی دائیں بازو کی صہیونی حکومت کی طرف سے تجویز کردہ مغربی کنارے پر ''خودمختاری مسلط کرنے'' کا معاملہ پہلے سے زیادہ سنگین ہوگیا ہے، خاص طور پر ٹرمپ کی قیادت میں دائیں بازو کی امریکی انتظامیہ کی موجودگی کے بعد سے۔

خطے کے حالات کے پیش نظران کا کہنا ہے کہ آنے والے دنوں میں اس تناظر میں عملی اقدامات دیکھنے کو ملیں گے۔

شلہوب نے کہا کہ یہ واضح ہے کہ اہم معاملات میں سے ایک جس پر نیتن یاہو اس وقت کام کر رہے ہیں، خاص طور پر امریکی انتخابات میں ڈونلڈ ٹرمپ کی فتح کے بعد، مغربی کنارے میں اسرائیلی موجودگی کو مضبوط بنانے کا مسئلہ ہے تاکہ وہاں مکمل خودمختاری نافذ کی جا سکے۔

انہوں نے کہا کہ ''یہ واضح نہیں ہے کہ مغربی کنارے میں اسرائیلی قبضے کے لیے کیا حتمی فارمولہ نافذ کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ٹرمپ کی فتح کے پس منظر میں اسرائیلی خودمختاری کو مسلط کرنے کے لیے دائیں بازو کی حکومت کی طرف سے عزم، تصدیق اور عملی کوشش واضح ہے۔''

انہوں نے زور دے کر کہا کہ اسرائیل 2025 کو مغربی کنارے میں خودمختاری مسلط کرنے کا سال بنانا چاہتا ہے۔ مطلب یہ کہ، مغربی کنارے میں دائیں بازو کے مذہبی تصورات میں سے کچھ کو نافذ کیا جا سکے۔ اس سے نیتن یاہو سیاسی فوائد حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے لیے وہ توقع رکھتے ہیں کہ ٹرمپ انتظامیہ کی طرف سے مغربی کنارے کے الحاق کی واضح حمایت حاصل ہو گی جیسا کہ ٹرمپ کے پہلے دور میں گولان میں اور امریکی سفارت خانے کو یروشلم منتقل کرنے کے حوالے سے ہوا تھا۔

شلہوب نے کہا کہ امریکی موقف مغربی کنارے پر

اسرائیلی خودمختاری کے نفاذ کی حمایت کرتا ہے۔

اس طرح کے اقدام کے کیا مضمرات ہیں؟

شلہوب کے خیال میں، ''اسرائیل اس سلسلے میں مرحلہ وار اقدامات کر سکتا ہے۔ جیسے کہ ابتدا میں مغربی کنارے کے اسرائیل کے ساتھ الحاق کا قانونی اعلان اور اسے ریاست اسرائیل کا حصہ قرار دینا، اس طرح مغربی کنارے کی زمینوں سے متعلق کسی بھی بات چیت یا سیاسی تصفیے کو رد کرنا ہوسکتا ہے۔''

دوسرا مسئلہ آبادکاری اور مغربی کنارے میں اسرائیل کی موجودگی کو استحکام دینا ہے۔

اس سلسلے میں اسرائیل سافٹ پاور پہ مبنی ایک عملی پالیسی اپنا سکتا ہے یا اگر ضروری ہو تو، تشدد کے ذریعے، مغربی کنارے کی آبادی کے ایک اہم حصے کو ملک سے باہر، خاص طور پر اردن کی طرف دھکیلنا بھی ہوسکتا ہے۔

شلہوب نے کہا کہ ''اردن انتظامیہ میں یہ خوف پایا جاتا ہے کہ ٹرمپ انتظامیہ اور اسرائیل کے تعلقات کے تحت مغربی کنارے میں ایک نئی حقیقت قائم کی جاسکتی ہے، جو اسرائیلی موجودگی کو استحکام بخشنے کے ساتھ ساتھ فلسطینیوں پر نقل مکانی کے لیے دباؤ ڈالے گا۔''

شلہوب کے خیال میں، نیتن یاہو حکومت اسے اہم معاملہ بنانے کے لیے کام کر رہی ہے۔ یہ مسئلہ اب سنجیدگی کے ساتھ میز پر ہے اور امریکہ اور صہیونی حلقوں میں اس پر یکساں بات کی جارہی ہے۔

انہوں نے نشاندہی کی کہ ''امریکی انتخابات سے قبل ٹرمپ نے کہا تھا کہ وہ سمجھتے ہیں کہ اسرائیلی ریاست رقبے کے لحاظ سے ایک چھوٹا ملک ہے۔ اسے اضافی علاقوں کی ضرورت ہے جس میں ریاست اسرائیل کو ایک مناسب جغرافیائی حقیقت کے تحت رہنے کی اجازت ہو۔''

شلہوب نے کہا کہ ''اس کے بعد پہلی چیز جو ذہن میں آتی ہے، وہ مغربی کنارہ ہے۔''

معروضی حقائق:

شلہوب نے خیال ظاہر کیا کہ آئندہ ایام میں اس معاملے میں تیزی دیکھی جائے گی، کیونکہ خطے کی نازک صورت حال کے پیش نظر امریکی اور صہیونی طاقتیں اس وقت اس سمت میں بڑا قدم اٹھانے کے لیے سازگار موقع سمجھتی ہیں۔

چونکہ بزلیل سموٹریچ نے چند روز قبل اس بات کا اظہار کیا تھا کہ سال 2025 مغربی کنارے پر اسرائیل کی خودمختاری اور مسلط ہونے کا سال ہے اس لیے یہ معاملہ پہلے سے کہیں زیادہ سنگین معلوم ہوتا ہے اور ہم اگلے مرحلے میں اس حوالے سے عملی اقدامات کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔

الحاق کا معاملہ اسرائیلی حکومت کے ایجنڈے پر ہے:

20 جنوری کو امریکی نومنتخب صدر ڈونلڈ ٹرمپ کے عہدہ سنبھالتے ہی قابض وزیراعظم بنجمن نیتن یاہو نے مقبوضہ مغربی کنارے کے الحاق کے معاملے کو اپنی حکومت کے ایجنڈے میں واپس لانے کا عندیہ دیا ہے۔

اسرائیلی نشریاتی ادارے کے مطابق نیتن یاہو نے قریبی لوگوں سے یہ بات حالیہ دنوں میں نجی بات چیت کے دوران کہی۔ ذرائع کے مطابق، مغربی کنارے کو اسرائیلی قبضے سے الحاق کرنے کا یہ منصوبہ پہلے سے موجود ہے، اور قابض حکام ٹرمپ کی پہلی صدارتی مدت کے دوران ابراہیم معاہدہ کے تحت 2020 سے اس پر کام کر رہے ہیں۔

استعماری عزائم اور فلسطینی عوام کے حقوق سے انکار:

فلسطینی تحریک حماس نے کہا ہے کہ دہشت گرد وزیر خزانہ سموٹریچ کا یہ اعلان کہ وہ مغربی کنارے پر صیہونی کنٹرول کو بڑھانے اور فلسطینی ریاست کے قیام کو روکنے کے منصوبے پر عمل درآمد کے ساتھ آگے بڑھ رہے ہیں، واضح طور پر قابض ریاست کے استعماری عزائم اور ہمارے لوگوں کے قومی حقوق سے انکار کا اظہار ہے۔

پیر کو ایک پریس بیان میں زور دیا گیا ہے کہ یہ اعلامیہ ان لوگوں کے دعوؤں کی تردید کرتا ہے جو دہشت گردی پر مبنی اس نازی کردار کے ساتھ امن اور بقائے باہمی کے حصول کے بارے میں فریب میں مبتلا ہیں۔

بیان میں کہا گیا کہ ہم دہشت گرد سموٹریچ اور دیگر صیہونی جنگی مجرموں کو ان کے کسی بھی مذموم منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کی اجازت نہیں دیں گے، جس سے انہیں ہماری مقبوضہ سرزمین پر قانونی حیثیت ملے، اور تاریخ کی اس حقیقت کو تبدیل کیا جائے گا کہ مغربی کنارہ خالصتاً آزاد، فلسطینی سرزمین اور ہماری آزاد فلسطینی ریاست کا ایک اٹوٹ حصہ جس کا دارالحکومت بیت المقدس ہے۔

بین الاقوامی قانون کو پامال کرنا:

یورپی یونین کے اعلیٰ نمائندے جوزف بوریل نے اسرائیلی وزیر خزانہ بیزلیل سموٹریچ کے ان بیانات کی مذمت کی ہے۔

''ایکس'' پلیٹ فارم پر اپنے اکاؤنٹ پر ایک پوسٹ میں، آج، منگل، بوریل نے زور دیا کہ وہ ان بیانات کی "غیر واضح طور پر مذمت کرتے ہیں۔

انہوں نے زور دے کر کہا کہ ''اس طرح کے بیانات ''بین الاقوامی قانون کو کمزور کرتے ہیں، فلسطینیوں کے حقوق کی خلاف ورزی کرتے ہیں، اور دو ریاستی حل کے حصول کے امکان کو خطرہ بناتے ہیں۔''

واضح رہے کہ ''مذہبی صیہونیت'' پارٹی کے سربراہ سموٹریچ نے کہا کہ انہوں نے مغربی کنارے پر اسرائیلی خودمختاری کو بڑھانے کے لیے تیاری کی ہدایات کی ہیں، اور وضاحت کی کہ وہ اس منصوبے کو 2025 میں نافذ کرنے کی امید رکھتے ہیں۔

وسیع پیمانے پر مذمت

خلیج تعاون کونسل کے سیکرٹری جنرل جاسم محمد البداوی نے کہا کہ ''انتہا پسندانہ بیانات بین الاقوامی قوانین اور معاہدوں اور سلامتی کونسل کی تمام متعلقہ قراردادوں کی صریح خلاف ورزی ہیں۔''

البداوی نے خلیج تعاون کونسل کی جانب سے ایسے اشتعال انگیز بیانات اور پالیسیوں کو مسترد کرنے کے موقف پر زور دیا جو اسرائیلی قابض حکومت کی طرف سے جاری پالیسی کے تحت خطے میں امن کے امکانات کو کم کرے، اور تنازعات کو ہوا دے۔

اسلامی تعاون تنظیم نے بھی انتہا پسند اسرائیلی وزیر خزانہ بیزلیل سموٹریچ کے نسل پرستانہ بیانات کی شدید مذمت کی ہے۔ تنظیم نے منگل کو ایک بیان میں اس بات پر زور دیا کہ قابض ریاست کا وجود اور جارحیت، آبادکاری، نقل مکانی، الحاق، تباہی اور نسل کشی پر مبنی اس کی پالیسیاں بین الاقوامی قانون کے تحت تمام غیر قانونی اور ناجائز اقدامات ہیں۔

اردن نے اسرائیلی وزیر خزانہ بیزلیل سموٹریچ کے ان بیانات کی مذمت کی ہے۔

اردن کی وزارت خارجہ نے ایک بیان میں کہا ہے کہ وہ ''انتہا پسند اسرائیلی وزیر بیزلیل سموٹریچ کے انتہا پسندانہ، اشتعال انگیز، نسل پرستانہ بیانات کی سخت ترین الفاظ میں مذمت کرتے ہیں۔''

انہوں نے ''اشتعال انگیزی'' کو مکمل طور پر مسترد کیا اور کہا کہ ''اسرائیل کی مقبوضہ فلسطینی سرزمین پر کوئی خودمختاری نہیں ہے۔''

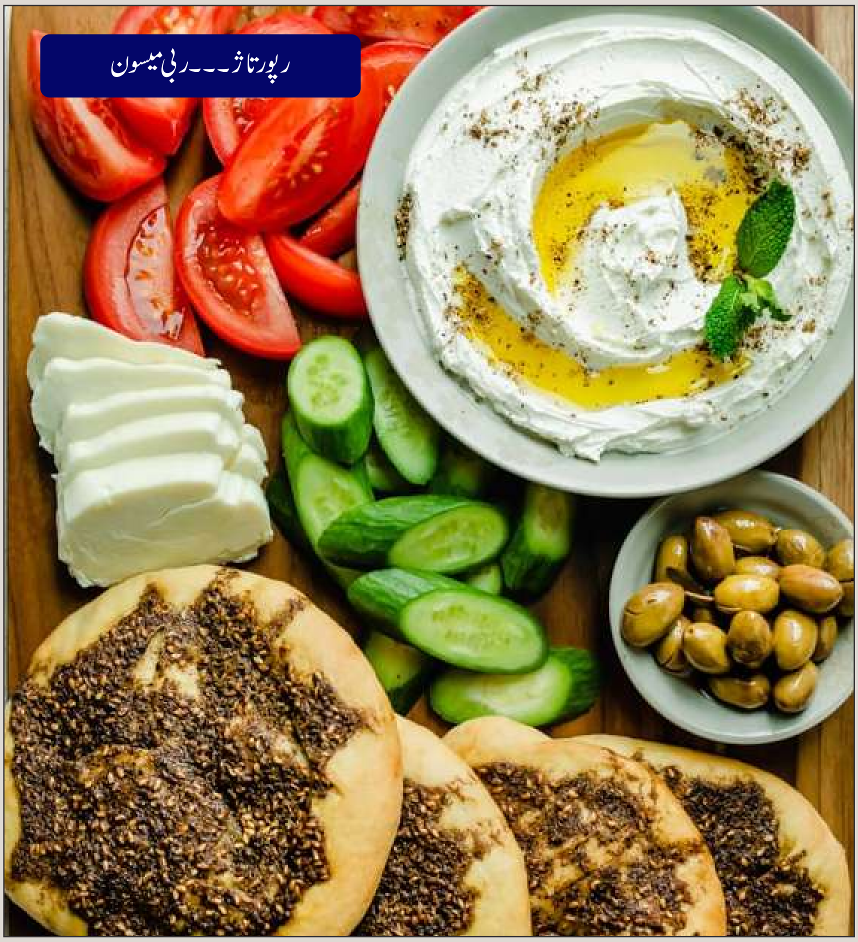

زعتر مناقیش:

بھوک اور نسل کشی سے بچنے کا فلسطینی طریقہ

نوجوان لڑکے محمد، سوار اور جہاد غزہ کے وسط میں واقع البصہ کے ایک خیمے کے سامنے اپنی دادی کے گرد جمع ہیں، جہاں وہ روایتی پکوان زعتر مناقیش کے پکنے کا انتظار کر رہے ہیں۔

یہ آٹے، تھائیم جیسی جڑی بوٹیوں پر مشتمل مسالہ، اور زیتون کے تیل کے امتزاج سے تیار ہونے والی ایک چپٹی روٹی ہے۔

ان کی دادی ام طارق کہتی ہیں کہ وہ بھوک مٹانے کی کوشش میں زیتون کے تیل کے بغیر جو بھی آٹا اور زعتر (تھائم) میسر ہے اس سے مناقیش تیار کرتی ہیں۔

انہوں نے بتایا کہ ان کے پوتے پوتیاں اس سے زیادہ خوراک چاہتے ہیں، لیکن وہ بہت کم کر سکتی ہے۔ بازاروں میں خریدنے کے لیے شاید ہی کوئی چیز ہے، اور اگر کوئی چیز دستیاب ہے، تو وہ بہت زیادہ قیمتوں پر ملتی ہے۔

لہذا، وہ روایتی، مناقیش بناتی ہیں، اور یہ ان کا دن بھر کا کھانا ہوتا ہے۔ ''بھوک ہمیں سخت مار رہی ہے، اور روٹی کا ایک ٹکڑا حاصل کرنا ایک جنگ بن گیا ہے۔''

انہوں نے کہا کہ جب ان کے پوتے محمد (سات سالہ) سے بات کی گئی تو ان کی آنکھوں میں آنسو چھلک پڑے، وہ اپنے چچا اور ان کے بچوں کو یاد کر رہے تھے، جو یکم مارچ کو اسرائیلی نسل کشی کی جنگ میں شہید ہو چکے تھے۔

محمد کہتے ہیں کہ ''انہوں نے ہمیں ہر چیز سے محروم کر دیا: کھیل، اسکول اور زندگی۔ اور اب وہ ہمیں کھانے سے بھی محروم کر رہے ہیں۔'' انہوں نے کہا کہ وہ روزانہ مناقیش کھاتے ہیں، مگر ''ہم گوشت، مرغی اور مٹھائیاں چاہتے ہیں۔''

خیال رہے کہ، اکتوبر 2023 کے بعد سے، غزہ پہنچنے والے امدادی ٹرکوں کی تعداد اب تک کی کم ترین سطح پر آ گئی ہے، جس کی وجہ سے بازاروں میں اشیا کی شدید قلت ہے۔ بین الاقوامی تنظیموں نے شمالی غزہ کی صورتحال کی طرح جنوبی غزہ میں قحط پھیلنے کے خطرے سے خبردار کیا ہے۔

اس وقت، 25 کلوگرام آٹے کے تھیلے کی قیمت 50 ڈالر یا اس سے زیادہ ہے، اور مختلف اشیا کی قیمتیں آسمان کو چھو رہی ہیں، جو کہ اس جاری نسل کشی کے دوران لوگوں کی قوت خرید سے بالکل متصادم ہے، جبکہ مقامی ذرائع کا اندازہ ہے کہ تقریباً 90 فیصد سامان بازاروں سے غائب ہے۔

ایسے میں، شہری اپنے بچوں کی بھوک مٹانے کے طریقے تلاش کرنے پر مجبور ہیں، جس میں کچھ ڈبہ بند سامان کے علاوہ چند ہی اختیارات ہیں، جن کی قیمت بھی بڑھ رہی ہے۔ انہی میں زعتر مناقیش بھی ہے۔

اقوام متحدہ کی رپورٹ کے مطابق غزہ پہنچنے والی انسانی امداد کو خاص طور پر شمالی علاقوں میں خاصی رکاوٹوں کا سامنا ہے۔ انروا کا کہنا ہے کہ غزہ میں 2.3 ملین سے زیادہ فلسطینی شدید غذائی عدم تحفظ کا شکار ہیں جنہیں بحرانی پیمانے اور اس سے اوپر کے مرحلے 3 کی درجہ بندی میں رکھا گیا ہے۔

اقوام متحدہ کے مطابق، شدید غذائی قلت جنگ سے پہلے کے مقابلے دس گنا زیادہ ہے۔ حال ہی میں، اسرائیل نے غزہ میں داخل ہونے والی امداد کے حجم کو نمایاں طور پر کم کر دیا ہے، جس کے بعد جنوبی اور وسطی غزہ میں قحط کے واضح آثار نظر آ رہے ہیں، جیسا کہ غزہ شہر اور شمالی سیکٹر میں ہو رہا ہے۔

اسرائیل غزہ کی برآمدات کی نقل و حرکت کو کراسنگ پر مکمل طور پر کنٹرول کرتا ہے، اشیائے خورد و نوش کی آمد کو روکتا ہے، اور فلسطینی مزاحمت پر دباؤ ڈالنے کے لیے بھوک کو سیاسی ہتھیار کے طور پر استعمال کرتا ہے۔

اقوام متحدہ نے اپنی تازہ ترین رپورٹ میں اس بات کی تصدیق کی ہے کہ اسرائیل غزہ میں فلسطینیوں کو خوراک اور زندہ رہنے کے ذرائع سے محروم کر رہا ہے۔

خصوصی رپورٹ / شمّاس یحییٰ

اسرائیلی بائیکاٹ کے ممکنہ سیاسی اثرات

غزہ میں اسرائیل نے نسل کشی کی جنگ شروع کر رکھی ہے۔ اس کا مقصد فلسطین اور فلسطینی دونوں کا مکمل خاتمہ اور قتل عام ہے۔ اس جارحیت کی مذمت کی آوازیں دنیا بھر سے بلند ہو رہی ہیں۔ غزہ کے لیے سپورٹ کی اپیل کی جارہی ہے۔ یہ اپیل مطالبہ بن گئی ہے۔ مزید برآں اس مطالبہ کی حمایت میں مذہب وملت، رنگ ونسل، علاقہ وقوم کی ہر امتیازی صورت کو الگ کرتے ہوئے اسرائیل، امریکہ اور اس کے ہر اتحادی ملک بہ شمول کینیڈا، برطانیہ، یورپی یونین، جرمنی، آسٹریلیا اور جاپان کی اس امداد کی روک تھام کے لیے کہا جارہا ہے جو مالی، سیاسی، سفارتی، فوجی اور دیگر حوالوں سے ان ممالک سے اسرائیل کو فراہم کی جارہی ہے۔

غزہ پر زندگی تنگ ہی نہیں کی جارہی، بل کہ 17 سال سے اسرائیل نے ناکہ بندی کر رکھی تھی، اب اس کو جنگ میں تبدیل کرتے ہوئے مکمل تباہی کے ایجنڈے کو نکبہ، انفراسٹرکچر سمیت ہر بنیادی سہولت کے خاتمے کی کوشش اپنے آخری انتہائی درجے تک پہنچا دی گئی ہے۔ امریکہ نے اور بالخصوص جو بائیڈن، انتھونی بلنکن اور نیتن یاہو کے گٹھ جوڑ نے انسانی بنیادیں ڈھانے کی حد تک لے جانے کا راستہ اختیار کیا ہوا ہے۔ فلسطینیوں سے نفرت کی انتہا یہ ہوگئی ہے کہ ان کے قبرستان بلڈوزروں سے اکھاڑے جارہے ہیں۔ نومبر کے پہلے دو دنوں میں 48 گھنٹوں میں 50 معصوم بچے اور شیر خوار شہید کر دیئے گئے ہیں۔

اس بات کو یقینی بنایا گیا ہے کہ اپنے بچاؤ اور دفاع کے لیے فلسطینیوں کو کسی بھی طرح کے ہتھیار کے حاصل کرنے سے روک دیا گیا ہے۔ ان سنگین حالات میں ان کے پاس واحد ہتھیار یہ رہ گیا ہے کہ دنیا اسرائیل کا ہر طرح سے ریاستی، گروہی اور انفرادی بائیکاٹ کرے۔ قابض صہیونی فوج، حکومت، سیاسی حمایت کا مکمل طور پر خاتمہ کیا جائے۔ یہی ایک حل آزاد دنیا کے پاس رہ گیا ہے۔ اب تک کے تجربے سے یہ حل کارگر بھی ثابت ہوتا دکھائی دے رہا ہے۔ دنیا بھر سے فلسطین اور فلسطینیوں کے حق اور اسرائیل کی بھرپور مذمت کی آوازیں اٹھ رہی ہیں۔ اسرائیل کی نہ صرف سفارتی وسیاسی سپورٹ ختم ہو رہی ہے بل کہ اس کی معیشت کو سہارا دینے والوں کا بھی مؤثر بائیکاٹ کیا جارہا ہے۔

اسرائیل کو الگ تھلگ کرنے، ہر اعتبار سے تنہا کرنے اور اس کی معاشی بنیادوں کو ڈھانے کے عوامل نے واقعتاً یہ کام کر دکھایا ہے کہ بے پناہ امریکی امداد کے باوجود اپنی معاشی صلاحیت کو بچانے میں صہیونی ریاست شدید مشکلات سے دوچار ہے۔ قابض افواج کو اپنی ضروریات پوری کرنے میں دشواری کا سامنا ہے۔ اسرائیلی مصنوعات کے جدید سائنسی خطوط پر بائیکاٹ نے اس امید کو زندہ کیا ہے کہ بڑی سے بڑی قوت کو بھی جھکنے پر مجبور کیا جاسکتا ہے۔

اسرائیل کے بائیکاٹ کی حکمت عملی کا پہلا اصول یہ ہے کہ ان حکومتوں اور کمپنیوں کی مصنوعات کو معاشی، منافع سازی سے محروم کر دیا جائے، جن پر یہ قابض حکومت انحصار کر رہی ہے۔ ابھی تک دنیا ایسے بے شمار انسانوں سے خالی نہیں ہوئی ہے جو فلسطین اور فلسطینی کے ساتھ یک جہتی کا اظہار کر رہے ہیں۔ وہ یونیورسٹیوں میں ہوں یا ان کا 10 ڈاؤننگ سٹریٹ سے گزر ہو، وہ واشنگٹن ڈی سی میں رہتے ہوں یا مین ہیٹن کے مہنگے ترین فلیٹس کے باسی ہوں، وہ سمجھتے ہیں کہ ایک ''پرامن ہتھیار'' آج بھی انہیں میسر ہے جس سے وہ اپنی یکجہتی اور گہری وابستگی فلسطین سے ثابت کر سکتے اور کرتے ہیں۔ وہ پرامن ہتھیار جب بھی استعمال ہوا ہے، اسرائیل اور اس کے اتحادیوں کی نیندیں اڑا لے گیا ہے۔ وہ ہر اس پراڈکٹ کا بائیکاٹ ہے جو اسرائیل کے برانڈ سے فروخت کے لیے پیش کیا گیا ہو۔ انہیں پہنچنے والے نقصانات سے پتہ چلتا ہے کہ کس قدر مہلک ہتھیار کا اسرائیل نے سامنا کیا ہے۔ وہ بائیکاٹ کا ہتھیار ہے۔

غزہ پر اسرائیلی جارحیت اور جنگ مسلط کیے جانے سے اب تک مسلم اور عرب دنیا میں اس کا ستعمال بہت مؤثر اور گہرا ثابت ہوا ہے۔ ''سٹار بکس'' اور میکڈونلڈ'' جیسی کمپنیاں اور ادارے خصوصی طور پر بائیکاٹ مہم کے اثرات سے بہت بڑے نقصانات سے دوچار ہوئے ہیں۔ ان کی وجہ سے ان اداروں کی عالمی پذیرائی اور شہرت برقرار رہ نہیں سکی ہے۔ مصنف ابراہیم آلوش کا کہنا ہے کہ غزہ میں جس وسیع پیمانے پر قتل عام کیا گیا ہے، ہنوز جاری ہے اور تباہی مسلط کرنے کا عمل بھی رکا نہیں ہے۔ غزہ کو پتھر سے بھی پہلے کے زمانے میں بھیجا جارہا ہے، قابض صہیونی اسرائیل کے کردار وعمل نے مسلم وعرب دنیا کے اندر بائیکاٹ کی مہم کو تیز تر کر دیا ہے۔

بائیکاٹ کے اثرات کو وسیع پیمانے پر پھیلانے میں سوشل

میڈیا نے بھی بہت بڑا کام کیا ہے۔اسرائیل کے جرائم کو کھول کھول کر دنیا کے سامنے رکھا ہے، ان سے ان جرائم کی حقیقت اور اصلیت بیان کردی ہے۔اس ساری جنگ میں سب سے بنیادی کام غزہ کے بچوں، بوڑھوں، جوانوں، عورتوں اور دیگر سب نے کیا ہے۔ انہوں نے کمال درجے کی استقامت، صبر اور استقلال سے دنیا کو پیغام دیا ہے کہ وہ اپنی آخری سانس تک آپریشن طوفان الاقصیٰ کے ساتھ نہ صرف کھڑے ہیں، جانی و مالی قربانیاں دے رہے ہیں بل کہ آئندہ بھی صہیونی قابض فوج سے سینہ تان کر بات کرتے رہیں گے۔ وہ غزہ سے ہانکے جارہے ہیں لیکن بار بار کے نکبہ کے باوجود کہیں اور جانے کے لیے تیار ہرگز نہیں ہیں۔ ان کے بلند حوصلے نے ہی دنیا کو یکجہتی کی راہوں پر مستقل مزاجی سے قائم رکھا ہوا ہے۔انہوں نے بائیکاٹ کا بھرپور سیاسی پیغام اپنے لہو کی گرمی اور سرخی سے غزہ کے در و دیوار اور ہر موڑ پر لکھا ہے اور وہ پیغام وہی ہے جو اسماعیل ھنیہ اور یحییٰ ابو ابراہیم السنوار نے لکھا ہے کہ

القدس لنا۔۔۔لبیک

ابراہیم آلوش نے یہ بھی لکھا ہے کہ اسرائیل کی معیشت کو نشانے بنانے میں اس کی اور اس کے حامی ممالک کی مصنوعات کا بھرپور بائیکاٹ ہی سب سے مؤثر ہتھیار اور ضرب کاری ہے۔ یہ ہی وہ محفوظ اور قانونی و اخلاقی راستہ اختیار کر کے اس کی معاشی ریڑھ کی ہڈی کو توڑا جاسکتا ہے۔ اس طرح سے بائیکاٹ کرنے والا کسی بھی طرح حکومتی اداروں اور حکام سے براہ راست تصادم مول نہیں لیتا۔ایک عام فرد گھر بیٹھے ان کی مصنوعات خریدنے سے انکار کردے، پیپسی کولا پینا ترک کردے، میکڈونلڈ نہ خریدے، تو کوئی حاکم وقت کچھ بھی کر نہیں سکتا۔

اس بائیکاٹ کے دوران میں کوئی کسی سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ آپ کسی ایسے بزنس کی سرپرستی کریں جس کا تعلق، بالواسطہ یا بلاواسطہ، اسرائیل سے ہو، صہیونیت سے ہو یا ان سے متعلق کسی بندوق کی کمپنی، کسی کارتوس یا بم ساز ادارے سے ہو۔ایسا کرنے والا بہت قوت کے ساتھ کسی سیاسی و معاشی سرگرمی میں شریک ہوئے بغیر اسرائیل کو سبق سکھا دیتا ہے۔ یہ ایک سادہ اور اخلاقی سوال ہے: کیا یہ درست نہیں ہے کہ آپ اپنا یہ حق استعمال کریں اور آپ یہ جانتے ہوں کہ آپ اس کا ہی بائیکاٹ کر رہے ہیں، جو آپ کو قتل کرنے کے درپے ہے اور آپ کی ہی سرزمین پر جبر کے ذریعے قابض ہونا چاہتا ہے۔؟

اسی کا ایک دوسرا پہلو یا رخ یہ بھی ہے کہ آپ کوک اور فانٹا یا پیپسی ترک کردیں، آپ گورے لیں یا کچھ اور لیں جو آپ کے اپنے ملک کا ہے، ڈونٹ۔ اس طرح آپ سٹارس بکس اور میکڈونلڈ چھوڑ دیں کن کا منافع صہیونی فوج کو جارہا ہے، اس کے لیے کھانا، یونیفارم اور گن خریدی جارہی ہیں۔ آپ اپنی ملکی کمپنیوں، اداروں اور بزنس کو مضبوط کر رہے ہیں۔

یہ بات یاد رکھیے کہ مغربی کنارے کے فلسطینیوں نے اسرائیل کی بنی مصنوعات کا بہت کامیاب بائیکاٹ کیا ہے۔انتفادہ میں بھی انہوں نے اس تجربے کو بہت مفید پایا تھا۔اس کا انہیں ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ انہوں نے فلسطینی برانڈز متعارف کرائے اور انہیں کامیاب بنایا۔ ان برانڈز کو امریکی، صہیونی اور یورپی برانڈز کے مقابلے پر لانے میں بھی انہیں کامیابی ملی۔ ان کی طلب اسرائیلی برانڈز سے بہت زیادہ بڑھ گئی۔

فلسطین کی وزارت معیشت کی رپورٹ کے مطابق مقامی مصنوعات کا معیار بہت بہتر ہوتا گیا ہے۔ان کی طلب بڑھی ہے۔ان کی قوت خرید کم تھی لیکن ان کے اس عمل نے طلب و رسد میں بہت نمایاں بہتری لانے میں کردار بہت اچھے طریقے سے ادا کیا ہے۔اب مقامی مارکیٹ میں ان کے حصص بہت بڑھے اور مضبوط ہوئے ہیں۔

ان تجربات نے مقامی مصنوعات کو قبولیت کی سند دی ہے۔اب مغربی کنارے اور غزہ میں جنگ سے پہلے بھی اور اب مغربی کنارے میں ڈیری، فرنیچر، پلاسٹک اور ادویات کی بڑی صنعت وجود میں آگئی ہے۔مثال کے طور پر ڈیری کی مصنوعات مقامی طلب کے 85 فیصد حصے کو پورا کر رہی ہے، پلاسٹک کی مصنوعات کی 75 فیصد صنعت مقامی طور پر تیار ہو رہی ہے، ادویات سازی میں 55 فیصد تک طلب پوری کی جارہی ہے۔ اب اسرائیل کے مقابلے میں فلسطینی مصنوعات 50 فیصد حصہ ڈال رہی ہیں۔

ایک تیسرا محاذ یہ بھی ہے کہ غزہ پر اسرائیل کی جارحیت کے ایک سال میں ویب پر ایک طوفان یہ بھی ہے کہ ہر ویب سائٹ ان مصنوعات کی مکمل فہرستیں شائع کر رہی ہیں جو اسرائیل کی ہیں۔ان پر ان کے مکمل بائیکاٹ کی اپیلیں نشر کی جارہی ہیں۔ ان کی اپیلوں کو عالمی منڈیوں میں بھی پذیرائی ملنے لگی ہے۔

سٹاربکس کی مصنوعات ان بہت سی مصنوعات میں سے ہے جو اس وقت عوامی سطح پر بڑے سخت ردعمل سے گزر رہی ہیں۔ سٹاربکس نے ایک ٹویٹ کی تھی جس میں فلسطین سے اظہار یکجہتی کی مذمت کی گئی تھی۔اس ٹویٹ کو کمپنی کے کارکنوں کی طرف سے ظاہر کیا گیا تھا۔ اس ٹویٹ سے پہلے بائیکاٹ کی پوسٹ کی ماہانہ تعداد 320,00 تھی جو یک دم بڑھ کر ماہانہ 4,66,000 سے زیادہ ہوگئی۔اس بارے میں بلوم برگ کی فروری 2024ء کی رپورٹ ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ سٹاربکس سیل میں تیزی سے کمی آئی۔عرب اور مسلم دنیا میں اس کی سیل بہت کم ہوگئی۔اس کی متعدد برانچیں بند کرنا پڑیں اور مجموعی طور پر اس کی سیل میں 11 ارب ڈالر کی مارکیٹ ویلیو کا نقصان اٹھانا پڑا۔

میکڈونلڈ کا حال بھی کچھ مختلف نہیں ہوا۔ کمپنی اسرائیلی فوج کو ایک لاکھ کی تعداد میں مفت غذائی پیکٹ دے رہی تھی۔ اس کے بائیکاٹ سے کمپنی کو غزہ جنگ کے ابتدائی مہینوں میں سات ارب ڈالر ماہانہ کے خسارے کا سامنا کرنا پڑا۔

Carefour، نیسلے، پیپسی اور دیگر کمپنیوں سے یہ جرم سرزد ہوا کہ حماس کے راہنما اسماعیل ھنیہ کی شہادت پر انہوں نے جشن کی تقریبات میں حصہ لیا۔اس پر ان کے بائیکاٹ کی اپیل دوبارہ کی گئی۔ان میں غذا اور بیوریج کی اور کمپنیاں بھی شامل ہوئیں۔

بعد ازاں برگر کنگ، کے ایف سی، پیزا ہٹ، کوکا کولا، زارا اور پوما کے بائیکاٹ کا کہا گیا۔ان سب کے اسرائیل سے بہت قریبی تعلقات تھے۔کے ایف سی اور پیزا ہٹ کی مصنوعات عرب دنیا میں بیچنے والے امریکانا گروپ 2024ء کے پہلے تین ماہ میں نیٹ منافع میں نصف کے قریب کمی ہوگئی۔ بعض کمپنیوں نے ان نقصانات کے بعد اعلان کیا کہ وہ اسرائیل سے تعاون ختم کر رہی ہیں۔ ان میں پوما کمپنی سرفہرست تھی۔ اس نے اسرائیلی فٹ بال ایسوسی ایشن کو دی اپنی سپانسر شپ ختم کردی۔ بین اینڈ جیری نے غزہ میں فوری جنگ بندی کا مطالبہ کیا۔

بائیکاٹ مہم کے معاشی اور سیاسی اثرات مرتب ہوئے اور مزید ہو رہے ہیں۔ اسرائیل سے تعاون کرنے والی کمپنیاں دباؤ میں ہیں۔اس کو کلچر بنانے پر توجہ دینا مفید ثابت ہو رہا ہے۔جس سے یہ محض ایک سیزن تک محدود رہنے والے ردعمل سے بڑھ کر پورے معاشرے کا عمل بن رہا ہے۔

براہ راست رپورٹ

IBM: صہیونیت کے لیے ٹیکنالوجی

منافع حقوق انسانی پر قربان کرنے میں مددگار

غزہ پر جاری صہیونی اسرائیل کی نسل کشی مہم دوسرے سال میں داخل ہو چکی ہے۔ فلسطینیوں کے قتل عام کے اس گھناؤنے کردار میں امریکی کمپنیوں نے سخت گیر مخالفت و مخاصمت کی صورت میں حصہ لیا ہے۔ امریکہ کی ہائی ٹیک کمپنیاں اسرائیل کے دائیں بائیں اور پشت پر کھڑی ہیں۔ ان کمپنیوں کو ملنے والے ٹھیکوں کی شفاف معلومات ان میں کام کرنے والے کارکنوں کے علم میں نہیں آتیں۔ اس پر احتجاج کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

آئی بی ایم اسرائیل کی فوج اور فوجی صنعت کے لیے 1960ء کے عشرے سے منسلک ہے۔ جنگ غزہ کے آغاز سے اب تک کمپنی ملازمین، حتیٰ کہ ایگزیکٹوز نے کمپنی سے مسلسل مطالبہ کیا ہے کہ وہ اسرائیلی حملے میں اپنے کردار کو کم کرے۔ اس حملے میں مارے جانے والوں کی صحیح تعداد کا علم کسی کو نہیں۔ کمپنی ملازمین کا مؤقف ہے کہ کمپنی نے اب تک مختلف ممالک کی نسل پرست انتظامیہ کو فوج کے لیے کمپیوٹرز فراہم کرنے کا کام وسیع تر کیا ہے۔ یہ کام نسل پرست نازی جرمنی کے ساتھ بھی کیا ہے اور جنوبی افریقہ میں بھی اس کا کردار بالکل ماضی جیسا رہا ہے۔ اب غزہ میں کمپنی نے اسرائیل کی فلسطینیوں کی نسل کشی میں بھی وہی کچھ کیا ہے۔

کمپنی کے سربراہ اروند کرشنا نے غزہ جنگ کے وسط میں ان باتوں پر ردعمل میں کہا تھا کہ ہمارا انسانی بنیادوں پر کام ایک الگ معاملہ ہے۔ جب ہم حکومتوں سے بات کرتے ہیں تو ہم انہیں اپنے کسٹمر کے طور پر لیتے اور اسی طرح سے ''بزنس ڈیل'' کرتے ہیں۔ ہماری کوشش ہوتی ہے کہ ہم کسی بھی تنازعہ کا حصہ بنے بغیر حکومتوں کے ساتھ کام کریں۔ ہم ایک ایسی کمپنی ہیں جس کے ہیڈ کوارٹر امریکہ میں ہیں، چناں چہ اس بات میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ کسی بھی معاملے میں امریکہ کی حکومت کیا پالیسی اختیار کر رہی ہے۔ اس سے ہمیں مکمل راہنمائی ملتی ہے۔ ہم بیک وقت بہت سے ملکوں میں کام کر رہے ہوتے ہیں۔ اسی طرح ہم اسرائیل میں بھی کام کر رہے ہیں۔ ہم سعودی عرب میں بھی کام کر رہے ہیں۔ ہم ہر ملک میں وہی کچھ کرتے ہیں جس کے لیے ہم سے کہا جاتا ہے۔

اس سادہ سے سرمایہ دارانہ مؤقف میں بہت کچھ کہہ دیا گیا ہے۔ لیکن اسی کمپنی کے کارکن اس مؤقف سے مختلف بات کر رہے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اخلاقی اعتبار سے ہر قدر کو کاروبار پر قربان نہیں کیا جا سکتا۔ جب انسانی جان کو خطرہ

بھی ہوتو کام کی نوعیت سے بہت کچھ غور کرنے کے لیے ہوتا ہے۔لیکن ملازمین یا کارکنوں کے اس مؤقف کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ ان ملازمین نے اس وقت بھی جنوبی افریقہ کی نسل پرست انتظامیہ کو کمپیوٹرز کی فروخت پر احتجاج کیا تھا۔ کمپنی کے ایک ملازم کوامے افیوح نے 1970ء کے عشرے میں جنوبی افریقہ کو کمپیوٹرز کی فراہمی کے کام کو منظم کیا تھا۔ اس نے احتجاج کرنے والے ملازمین سے تب کہا تھا کہ ہم کسی بھی ملک کی خارجہ پالیسی نہیں بناتے۔ ہم اس معاملے میں امریکی حکومت کی پالیسیاں اور ہدایات ہی سامنے رکھتے ہیں۔

کرشنا کا کہنا ہے کہ براہ راست ہتھیاروں کی تیاری میں ہماری کمپنی کا کوئی کردار نہیں ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ ایسا کرنا اخلاقی طور پر درست نہیں ہے۔ ہم ایسا کوئی پیمانہ استعمال نہیں کرتے کہ غلط اور درست میں فرق کریں یا غلط کو درست سے الگ کریں۔ ہم اسے اخلاق یا انسانیت کے طور پر نہیں لیتے۔ یہ ہمارا بزنس ہے اور ہم اسے اسی طرح ہی کرتے رہیں گے۔ اخلاق یا انسانیت کو دیکھنا اس حکومت کی ذمہ داری ہے جس کے لیے کمپنی کمپیوٹرز دے رہی ہے۔

ممکن ہے کہ کرشنا جو کچھ کہہ رہے ہیں، وہ درست ہو لیکن یہ تو ہر کسی کے، خود کرشنا کے بھی علم میں ہے کہ وہ ایسی فوج کے لیے کام کر رہی ہے جو نہ صرف ان سہولتوں کا بھاری فوجی استعمال کر رہی ہے بل کہ وہ ہزاروں انسانوں کو قتل بھی کر رہی ہے۔ بدقسمتی سے یہ فلسطینی ہیں جو امریکی پالیسی کے عین مطابق مارے جا رہے ہیں۔ کمپنی نے 2020ء میں اسرائیل سے 27 کروڑ 50 لاکھ ڈالر کا معاہدہ کیا جس سے صہیونی فوج کے لیے ڈیٹا سنٹرز بنائے گئے۔ ان سنٹرز سے اسرائیلی فوج کے لاجسٹکس ،لڑائی کے آلات وغیرہ کی تیاری میں کام لیا گیا۔ یہ معلومات خود اسرائیلی کمپنی ''دی مارکر'' نے شائع کیں۔ اس معاہدے اور دیگر معاہدوں پر کمپنی کی ایک شاخ ریڈ ہیٹ (Red Hat) نے بتایا کہ ہم خود کو اسرائیلی فوج کے اتحادی اور شراکت دار کے طور پر ہی دیکھتے ہیں۔

کمپنی کے سربراہ اروند کرشنا کے مؤقف سے اختلاف کا اظہار احتجاج کرنے والے ملازمین سرمایہ داری کی اس سوچ کے مخالف ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ مؤقف ''واضح انداز میں شرم ناک'' ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ کمپنی اسرائیل کی اتحادی اور شراکت دار کے طور پر خود کو پیش کر رہی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ کمپنی انتظامیہ سے سامنے بیٹھ کر جو بات ہوئی ہے، وہ قطعی اطمینان بخش نہیں ہے۔ اس پر جذبات میں اشتعال پیدا ہوا۔ کمپنی ایگزیکٹوز کا کہنا ہے کہ امریکی حکومت کمپنی کے پیچھے اور کمپنی امریکی خارجہ پالیسی کے پیچھے چھپ رہے ہیں جب کہ دونوں کے علم میں ہے کہ وہ حقیقت سے فرار حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

مبصرین کا مؤقف یہ ہے کہ دونوں اپنے مقاصد میں ناکام ہیں کیونکہ صدر امریکہ جو بائیڈن اور سیکرٹری آف سٹیٹ انٹونی بلنکن دونوں کہہ رہے ہیں کہ انہیں فلسطین میں

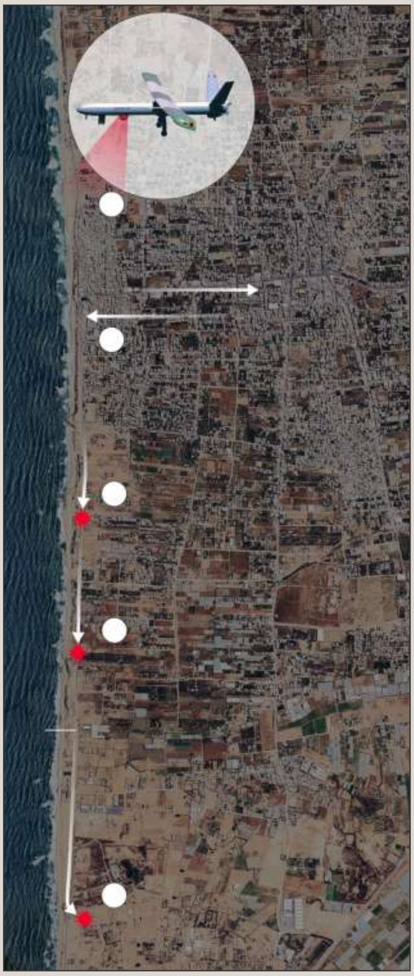

لائسنس ٹوِ کل حاصل ہے۔ کمپنی کا ٹریک ریکارڈ یہ ہے کہ عرصہ دراز سے اسرائیلی فوج کے بے گناہ انسانوں کے قتل میں اور اب فلسطین میں بے پناہ قتل عام میں برابر کی شراکت دار ہے۔

کمپنی جو کچھ پبلک میں کہہ رہی ہے، وہ اس سے بالکل مختلف ہے جو اس کے پالیسی دفاتر میں بند کمروں میں کہا اور سنا جا رہا ہے۔ کمپنی کے کاروباری مخالفین کی طرح یہ کہا جا رہا ہے کہ وہ بہت سے ایسے امور کا خیال رکھتی ہے جن کا تعلق حقوق انسانی سے ہے۔ کمپنی کا یہ فرض ہے کہ وہ کسی کو نقصان پہنچائے بناء منافع حاصل کرے۔ جب کمپنی کسی دوسرے ملک میں کام کرتی ہے تو اسے خود سے یہ سوال ضرور کرنا چاہیے کہ اس سے فلاں کام کس کے لیے لیا جا رہا ہے۔

لیکن دوسری کمپنیوں کی طرح اس کمپنی کا حقوق انسانی پر مؤقف عام طور پر بیان کیے جانے والے مؤقف سے مختلف ہوتا ہے۔ وہ کاروبار کو اہمیت دیتی ہیں، انسانی حقوق یا ان سے بڑھ کر انسانی جان کو ویسی اہمیت نہیں دی جاتی۔ جب عام طور پر بات کی جاتی ہے یا کی جائے گی تو منافع سامنے آئے گا۔ اصول، اخلاق اور ضابطے بھی اسی طرح سے طے ہوں گے۔ اس اعتبار سے آئی بی ایم کا بہت ''مضبوط کلچر'' اور ''وقار'' ہے۔

آئی بی ایم کا مؤقف ہے کہ وہ ان امور میں امریکہ کے بعد اقوام متحدہ سے راہنمائی لیتی ہے کہ اس کے راہنما اصول انسانی حقوق کے بارے میں کیا ہیں؟ اسے وہ ''تھرڈ پارٹی حقوق انسانی'' کا فریم ورک قرار دیتی ہے۔ اس اعتبار سے اس پر لازم آتا ہے کہ وہ ایسے پراجیکٹ سے خود کو الگ رکھے جن سے حقوق انسانی پر حرف آتا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ پھر منافع کس طرح سے محفوظ بنایا جا سکے گا۔

اقوام متحدہ نے حقوق انسانی کونسل کے 2011ء کے اجلاس میں قرار دیا تھا کہ بعض کام کے ماحول، تصادم اور جنگ کے علاقوں میں کمپنیوں کے لیے رسک میں اضافہ کرتے ہیں، ان کے کام سے حقوق انسانی کی شدید پامالی ہوتی ہے۔ فوجیں ان پامالیوں کا ارتکاب کرتی ہیں۔ اس دستاویز میں مزید کہا گیا ہے کہ ان تصادم کے ماحول میں یہ کاروباری کمزوری بنا لی جاتی ہے جو اپنے مقاصد کی وجہ سے بین الاقوامی عدالت برائے جرائم کے دائرہ کار میں جرم ہوتی ہے۔ ایسے میں متحارب فریقین کا یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ حقوق انسانی کی پامالی سے مکمل طور پر اجتناب برتیں۔ اسی عدالت نے اپریل 2024ء میں اسرائیل کے وزیراعظم بنجمن نیتن یاہو کو جنگی مجرم قرار دیا تھا۔ غزہ پر ان کی حکومت کی جارحیت بھی جنگی جرم قرار دیا گیا تھا۔ ان جرائم میں گوگل، امیزون اور مائیکروسافٹ بھی برابر کے مجرم ادارے قرار پائے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے اسرائیل کی جنگی مجرم حکومت کو اس کے جرائم میں مدد فراہم کی تھی۔

جنگی جرائم!
مخالف--
دشمن!
نسل کشی!
MADE IN USA
LATUFF 2024
MONDOWEISS.NET

STOP
KILLIG CHILDREN
GENO
CIDE
CEASEFIRE
NOW
RELEASE
THE
HOSTAGES
CEASE
FIRE
GAZA
GAZA
Cagle.com